بسم اللہ الرحمن الرحیم
ان الحکم الا للہ یوسف ۴۰
حکومت تو بس صرف اللہ ہی کی ہے!
حکومت الٰہیہ
اور
دنیاوی حکومتیں
تالیف :-
سید محمد حسین زیدی برسیتی
ناشر :-
ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ

نام کتاب	حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں
نام مصنف و مؤلف	سید محمد حسین زید برستی
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ
مطبع	
اشاعت	1995

اظہار تشکر و انتساب

اس کتاب کی کمپوزنگ جناب سید محمد سیدین موسوی اور فرزند ارجمند سید نیاز حسین محمود کے تعاون سے کافی عرصہ سے مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن زیور طبع سے آراستہ ہو کر قوم کے ہاتھوں میں نہیں پہنچ سکی تھی۔ اب عزیزم سید محمد مہدی زیدی نے اپنے والد گرامی اور میرے برادر عزیز سید محمد نقی زیدی مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات کا بیڑا اٹھایا اور میں اس قابل ہو سکا کہ اس کتاب کو طبع کرا کر قوم کے ہاتھوں میں پہنچا سکوں دعا ہے کہ خداوند تعالی ان سب کی سعی جمیل کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی توفیقات خیر میں مزید اضافہ فرمائے۔

اگر برادرم سید محمد نقی زیدی اس وقت زندہ ہوتا تو وہ اس کتاب کی اشاعت پر بہت خوش ہوتا۔ جیسا کہ وہ اس سے پہلے میری کتابوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا میں اس کتاب کو اپنے مرحوم بھائی سید محمد نقی زیدی کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالی بحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمدؐ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

فہرست مضامین

پیش لفظ

اس بات میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ساری کائنات کا حاکم حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کسی کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اس مطلب پر قرآن کریم کی بے شمار آیات گواہ ہیں اور جس کے بارے میں جماعت اسلامی کے عظیم مفکر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں صفحہ 17 پر یوں بیان فرمایا ہے کہ۔

"اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں کسی کا حصہ ہو"

اور تمام انسانوں کے لئے اللہ کی حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کسی انسان کو اسی جیسے کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں بنایا اور نہ ہی کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر اپنی افرادی قوت، یا سرمایہ کی طاقت یا غلبہ و تسلط کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق اور اختیار دیا ہے۔

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسان ہی انسانوں پر حکومت کر رہے ہیں کہیں صدر کے نام سے، کہیں وزیر اعظم کے نام سے، کہیں فوجی ڈکٹیٹر کے طور پر اور کہیں بادشاہ کی حیثیت سے۔

دنیامیں آج تک بہت سے انسان حکومت کرنے والے گزرے ہیں ان میں سے کچھ کا نام اچھائی کے ساتھ لیا جاتا ہے اور کچھ کا برائی کیساتھ بعض حکمرانوں اور بادشاہوں کا کافر ہونے کے باوجود انکے عدل وانصاف کی وجہ سے نام روشن ہے اور بعض مسلمان بادشاہوں کا ان کے مسلمان ہونے کے باوجود ان کے فسق و فجور اور ظلم و جور کی وجہ سے برائی کے ساتھ نام لیا جاتا ہے۔ ہمارا مقصد کسی حکمران کی تعریف یا مذمت اور اچھائی یا برائی بیان کرنا نہیں ہے سارے ہی حکمران تاریخ کا حصہ ہیں جن کے حالات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

ہمارا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ کی حکومت کیا ہے؟ اور یہ کیسے ہوتی ہے؟ یا اللہ کیسے حکومت کرتا ہے؟ اور خود انسانوں کی اپنے آپ قائم کردہ اور خود ساختہ حکومت کی کیا حیثیت ہے؟ اور اسے کیا کہنا چاہیئے؟ ہم نے اس کتاب میں اسی بات کو ثابت کیا ہے اور اسی لئے اس کتاب کا نام "حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں" رکھا ہے۔ وما علینا الا البلاغ

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

بیاد برادرم

سیّد محمد نقی زیدی مرحوم

۱
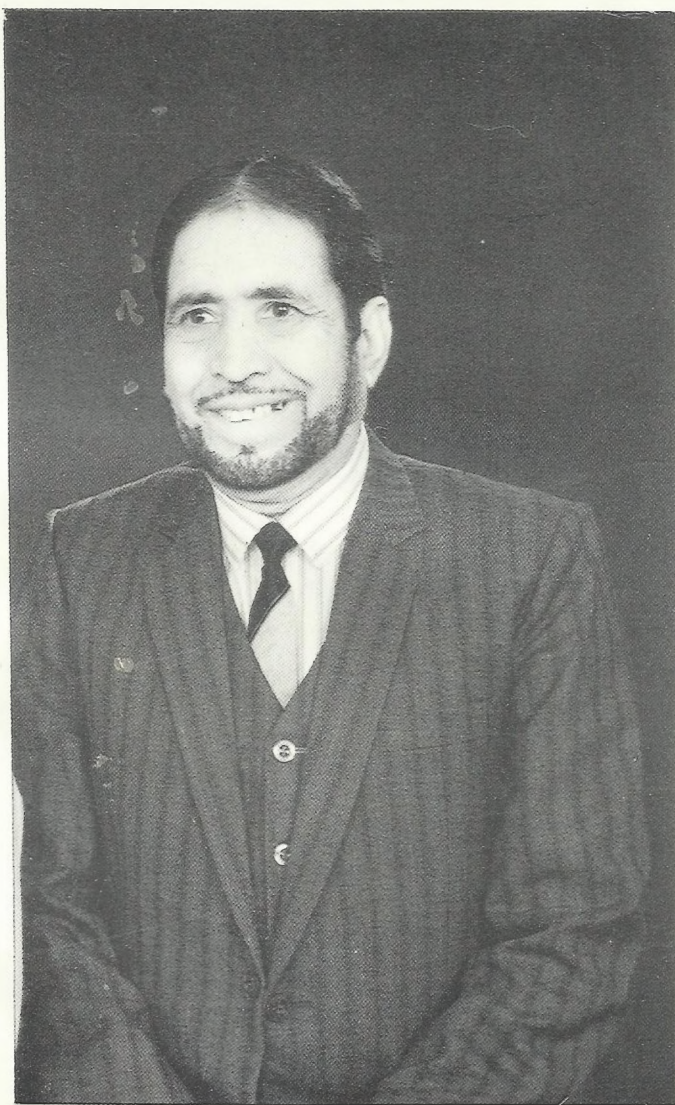
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اللہ کی حکومت

ہر وہ شخص جو قرآن پر، رسولوں پر اور خدا پر ایمان رکھتا ہے یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ حاکم حقیقی صرف اور صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اور ساری کائنات پر اسی کی حکومت ہے اور اسلامی مفکرین اور دانشوروں میں سے کسی نے بھی اس نظریہ سے اختلاف نہیں کیا ہے جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں تحریر فرمایا ہے:

"اس کائنات میں حاکیت ایک اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ اور نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکیت میں کسی کا حصہ ہو"

خلافت و ملوکیت ص 17

قرآن کریم میں حکومت کو واضح طور پر اللہ کی ذات میں "حصر" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

یوسف۔ 40

"یعنی حکومت تو بس صرف اللہ ہی کی ہے اسی لئے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"مالھم من دونہ من ولی ولا یشرک فی حکمہ احدا"

الکہف - 26

"ان کا اس کے سوا کوئی والی و حاکم نہیں ہے اور وہ اپنے فیصلہ اور حکم میں کسی اور کو شریک نہیں بناتا"

بادشاہ حقیقی

خداوند تعالیٰ اپنی حکومت کو سمجھانے کے لئے انسانی ذہن میں اترنے والے الفاظ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"فتعلی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم"

المومنون - 116

"یعنی خدا وند تعالیٰ ہی بادشاہ برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی بزرگ عرش کا مالک ہے"

بہرحال اس مطلب پر قرآن کریم کی بے شمار آیات گواہ ہیں اور مسلمانوں کے کسی بھی مکتب فکر کے کسی بھی فرد کے نزدیک اس بارے میں ذرا سا بھی اختلاف نہیں ہے کہ ساری کائنات کا بادشاہ حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی حاکم حقیقی ہے' اسی کی سارے جہان پر حکومت ہے اور اس کی حکومت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

خدا کا ملک

جب ہم اپنی زبان سے لفظ ملک نکالتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً مصنوعی لکیروں میں گھرے ہوئے وہ علاقے گھوم جاتے ہیں جنہیں انسانوں نے اپنی طاقت و قوت' دھونس و دھاندلی' جبر اور زبردستی یا دیگر عوامل کے ذریعہ اپنے اقتدار کی حدود میں محدود کر لیا ہے لہٰذا جب ہم کرہ ارض کے نقشہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کرہ ارض پر کچھ مصنوعی لکیروں میں گھرے ہوئے بے شمار علاقے ملکوں کے نام سے نظر

آتے ہیں۔

یہ مصنوعی جغرافیائی لکیروں میں گھرے ہوئے علاقے جنہیں لوگ ملک کہتے ہیں سکڑتے، پھیلتے، بنتے، بگڑتے، نابود ہوتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں اس کے لئے بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن خود ہمارے لئے پاکستان کی حسی مثال کافی ہے پہلے یہ خطہ زمین جو 1947ء میں پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آیا ہندوستان کا حصہ تھا پھر 14 اگست 1947ء میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک حصہ کو بھارت کہا جانے لگا اور دوسرا حصہ پاکستان کہلایا۔ لیکن یہ حصہ ملک بھی ایک ربع صدی سے زیادہ سالم نہ رہ سکا اور اس کا ایک حصہ ایک علیحدہ ملک بنگلہ دیش کے نام سے وجود میں آ گیا۔

اسی طرح تصادف حالات سے کرہ ارض میں یہ ملک سکڑتے، پھیلتے، بنتے، بگڑتے، نابود ہوتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور کرہ ارض پر بسنے والے انسان اپنے اقتدار کی حدود میں محدود مصنوعی جغرافیائی لکیروں میں گھرے ہوئے ان علاقوں کو ہی ملک کا نام دے لیتے ہیں۔

لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے ملک کا جو جغرافیہ بیان کیا ہے وہ قرآن کی سند کی رو سے یہ ہے:

نمبر 1:- "و للہ ملک السموت والارض واللہ علی کل شئی قدیر"

آل عمران - 189

"آسمان اور زمین کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

نمبر 2:- دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"الذی لہ ملک السموت والارض و لم یتخذ ولدا" و لم یکن لہ شریک فی الملک"

الفرقان - 2

"وہی تو ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کا ملک ہے اور نہ تو اس نے کوئی بیٹا بنایا اور نہ ہی ملک میں کوئی اس کا شریک ہے"

نمبر3 :- ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے :

"الذی لہ ملک السموت والارض واللہ علی کل شئی شہید"

البروج - 9

"وہی ہے کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کا ملک ہے اور وہ ہر چیز سے واقف و آگاہ ہے"

نمبر4 :- اور سورۃ مائدہ میں اس طرح سے ارشاد ہوا ہے :

"و للہ ملک السموت والارض وما بینھما یخلق ما یشاء واللہ علی کل شئی قدیر"

المائدہ - 17

"کل آسمانوں اور زمین کا ملک اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا مالک و مختار اللہ ہی ہے' جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ نے اپنے ملک و سلطنت کا تعارف کرایا ہے جن سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ساری کائنات پر اس کی حکمرانی ہی اس کا ملک ہے اور اس کی یہ حکومت قائم و دائم ہے اور اس کے اس ملک میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے اور اس نے اپنے اس ملک میں نہ تو کسی کو حصہ دار بنایا ہے' اور نہ ہی کسی کو اپنا شریک گردانا ہے۔

خدا کی حکومت دائمی ہے

خدا کا یہ ملک لازوال ہے اور اس کی حکومت بھی دائمی اور ابدی ہے۔ ایسا

نہیں ہے کہ اس کی حکومت کل تو تھی مگر آج نہیں ہے یا آج ہے اور کل نہ ہو گی۔ یقیناً ایک دن ایسا آئے گا جب زمین پر کھنچی ہوئی مصنوعی لکیریں جن کا نام انسانوں نے ملک رکھ لیا ہے مٹ جائیں گی اور کوئی بھی انسان میرا ملک یا میری حکومت کا دعویٰ نہ کر سکے گا اور میدان محشر میں ایک ہی صدا گونج رہی ہو گی۔

"لمن الملک الیوم' للہ الواحد القهار"

المومن - 16

"میرا ملک اور میری حکومت کی رٹ لگانے والے انسانوں بتاؤ' آج سلطنت اور ملک کس کا ہے پھر اس کے جواب میں یہ آواز بلند ہو گی ملک و سلطنت تو خدائے واحد و قہار ہی کے لئے ہے"

خدا کا یہ ملک ہمیشہ سے ہے' اور خدا کا یہ ملک و سلطنت اور حکومت ہمیشہ رہے گی' ارشاد خداوندی ہے:

"الا لہ الخلق و الامر تبارک اللہ رب العالمین"

الاعراف - 54

آگاہ ہو جاؤ کہ خلق کرنا اور حکم کرنا اسی کے لئے ہے کل عالموں کا پروردگار اور ادارہ کرنے والا خدا بڑا ہی برکتوں والا ہے۔

"اس سے بالفاظ واضح ثابت ہے کہ جس طرح خدا کا خلق کرنے کا عمل رکا نہیں ہے اسی طرح حکم کرنے کا معاملہ بھی ختم نہیں ہوا۔ اہل سنت کے معروف عالم حضرت شیخ الہند محمود حسن اسیر مالٹا نے مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکتوں والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا"

اور اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھتے ہیں:

ف 9 - "پیدا کرنا "خلق" ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ "امر" ہے اور دونوں اسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں"

تفسیر عثمانی ص - 204

"اور یقیناً خدا کا یہ اختیار نہ تو سلب ہوا ہے اور نہ ہی کوئی سلب کر سکتا ہے۔

خدا نے اپنے ملک میں اپنا اختیار کس کو دیا؟

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ خدا کے ملک میں خدا ہی بلا شرکت غیرے مالک الملک ہے تو اس نے ہم پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کے ملک پر نہ تو کوئی اپنی مرضی سے قبضہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ملک میں کسی اور کے بنانے سے اس کے ملک کا حکمران بن سکتا ہے۔

خدا وند تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت 246 میں بنی اسرائیل کی ایک درخواست کو نقل کرتا ہے:

"اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ"

"اس وقت کو یاد کرو جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے یہ کہہ کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم راہ خدا میں لڑیں"

بنی اسرائیل کی مذکورہ درخواست نقل کرنے کے بعد سورۃ البقرۃ کی آیت 247 میں فرماتا ہے:

"و قال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً قالوا انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ و لم یئوت سعتہ من المال قال ان اللہ اصطفہ علیکم و زادہ بسطتہ فی العلم والجسم واللہ یئوتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم"

اس آیت کا ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے:

"اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ، کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے، اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں، پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا"

اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس طرح لکھتے ہیں:

> "ف، 2- طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی، غریب محنتی آدمی تھے ان (بنی اسرائیل) کی نظر میں سلطنت کے قابل نظر نہ آئے اور بوجہ مال و دولت اپنے آپ کو سلطنت کے لائق خیال نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں اور سلطنت کی بڑی لیاقت ہے عقل، اور بدن میں زیادتی اور وسعت ہوتی ہے جس میں طالوت تم سے افضل ہے"

تفسیر عثمانی ص - 51

اس آیت میں "واللہ واسع علیم" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ جس کو اس نے اپنا ملک عطا کرنا ہے وہ کن صفات کا حامل ہونا چاہئے اور وہ صفات کس میں پائی جاتی ہیں۔

"واللہ یؤتی ملکہ من یشاء" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب بھی کسی کو وہ اپنا ملک عطا کرتا ہے خود عطا کرتا ہے اور جسے عطا کرتا ہے اپنے نبی کے ذریعہ اس کا اعلان کراتا ہے۔

اور "انی لہ الملک علینا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی کی تمام امت حضرت طالوتؑ کو غریب ہونے کی وجہ سے خدا کے ملک میں بادشاہ بننے کا اہل

نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن خدا کے نزدیک وہی اہل تھے۔

اور "**نحن احق بالملک منہ**" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی کی تمام امت علی الخصوص وہ لوگ جو اس نبی سے درخواست کر رہے تھے خود کو ہی بادشاہ بننے کا اہل سمجھتے تھے لیکن خدا کے نزدیک وہ سب نااہل تھے اور خدا نے ان سب کو چھوڑ کر حضرت طالوت کو ہی بادشاہ بنایا اور دعوے کے ساتھ کہا کہ ملک میرا ہے میں جسے چاہے دوں'

ایک اور آیت میں خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں یہودیوں کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

"ام لهم نصیب من الملک فاذا" لا یؤتون الناس نقیرا"' ام یحسدون الناس علی ما اتهم الله من فضله فقد اتینا ال ابراهیم الکتاب والحکمة و اتینا هم ملکا عظیما

النساء - 53 - 54

"کیا ہمارے ملک و سلطنت اور بادشاہی میں ان یہودیوں کا بھی کچھ حصہ ہے (اگر ان کا بھی کچھ حصہ ہوتا) تو پھر تو وہ لوگوں (الناس) کو تل برابر بھی نہ دیتے" کیا وہ لوگوں (الناس) پر اس بات کا حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے کچھ دیا ہے بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور ہم نے ان کو ملک عظیم بخشا ہے"

اس آیت میں "لهم" کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف لوٹتی ہے جن کا اس آیت سے پہلے ذکر آیا ہے اور یہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہودیوں کے حسد کو بیان کر رہی ہے وہ یہود جو یہ خیال کرتے تھے کہ جو بھی نبی آئے گا وہ بنی اسرائیل میں سے ہی آئے گا لیکن جب بنی اسرائیل کی بجائے اولاد اسمٰعیل میں سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نبوت و رسالت اور ملک و سلطنت عطا کر دی

گئی تو یہود حسد کے مارے جل بھن کر رہ گئے لہٰذا سورۃ نساء کی اس سے پہلی آیات میں یہودیوں کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

کیا ہمارے ملک و سلطنت اور بادشاہی میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے (اگر ہمارے ملک و سلطنت اور بادشاہی میں ان کا بھی کچھ حصہ ہوتا) تو پھر تو وہ (الناس یعنی) اولاد اسمٰعیل میں سے (محمدؐ کو) تل برابر بھی نہ دیتے کیا وہ الناس (یعنی محمدؐ) پر اس بات کا حسد کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو اپنے فضل سے کچھ دیا ہے بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت یعنی علم و دانش یا نبوت و امامت عطا کی ہے اور یہ کتاب و حکمت یعنی علم و دانش یا نبوت و امامت ہی وہ ملک عظیم ہے جو محمدؐ کو مل جانے کی وجہ سے بنی اسرائیل ان پر حسد کرتے ہیں اگر ان کے اختیار میں کچھ ہوتا تو وہ نبوت و امامت کو ہرگز بھی بنی اسرائیل سے نہ نکلنے دیتے اور اس ملک عظیم کو اولاد اسمٰعیل میں محمدؐ کی طرف نہ جانے دیتے۔

اور خداوند تعالیٰ اسی چیز کا اپنے پیغمبر سے اس طرح اعلان کرا رہا ہے:

"قل الھم مالک الملک تئوتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تزل من تشاء بیدک الخیر' انک علی کل شئی قدیر
"

آل عمران - 26

"یعنی کہہ دیجئے اے اللہ! تو ہی مالک الملک ہے تو ہی بادشاہ ہے' تو ہی سلطنت کا مالک و مختار ہے' تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے' جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے' سارے کا سارا اختیار تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

یہ ملک و سلطنت خدا نے جن سے چھینی ہے وہ یقینی طور پر بنی اسرائیل ہیں:

اور جن کو یہ ملک و سلطنت یا نبوت و امامت عطا کی ہے وہ یقینی طور پر آل ابراہیم میں سے اولاد اسمٰعیل کی افضل ترین ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور جن کو یہ عزت بخشی گئی وہ بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جن کو ذلیل کیا گیا وہ حتماً" بنی اسرائیل ہیں یعنی بنی اسرائیل سے نبوت و امامت یا حکومت الہیہ نکل کر بنی اسمٰعیل میں آگئی ہے۔

لیکن جن لوگوں نے کرہ ارض پر بنی نوع انسان کی طاقت وقوت' زور و زبردستی' دھونس اور دھاندلی یا دیگر عوامل کے ذریعہ کھچی ہوئی مصنوعی لکیروں میں گھرے ہوئے علاقوں کو ملک سمجھ لیا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گھٹتے' بڑھتے' سکڑتے' پھیلتے' بنتے' بگڑتے' نابود ہوتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کے نزدیک "تئوتی الملک" کا مفہوم انہیں مصنوعی لکیروں میں گھرے ہوئے علاقوں پر اقتدار کا حصول ہے یعنی جو بھی غنڈہ اور بدمعاش' چور اور اچکا' ٹھگ اور لٹیرا' ظالم و جابر' جاہل و احمق' فاسق و فاجر' اپنی طاقت و قوت' زور و زبردستی' مکرو فریب' چالوں اور جھانسوں یا سرمائے کے بل بوتے پر کرسئ اقتدار پر پہنچ جائے تو گویا ان کے نزدیک خدا نے اسے یہ ملک عطا کیا ہے اور خدا نے اسے یہ عزت بخشی ہے۔ لیکن اگر کوئی عالم و فاضل' زاہدو متقی' شریف و دیندار اپنی مفلسی و ناداری اور شرافت و دینداری کے سبب سے کرسئ اقتدار تک نہ پہنچ سکے تو گویا خدا نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور ملک اس سے چھین لیا ہے۔

بہرحال مذکورہ آیت میں یہودیوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان کا ملک میں کوئی حصہ نہیں ہے لہٰذا وہ کسی کو دینے یا نہ دینے کا کوئی حق یا اختیار نہیں رکھتے۔ اس مقام پر ایک اور بات بھی قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے نبوت اور کتاب کو ذریت ابراہیم میں "حصر" کر دیا ہے چنانچہ سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے:

"و وهبنا له اسحق و يعقوب و جعلنا فی ذريته النبوة والكتاب" العنكبوت - 27

"یعنی ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحٰق اور یعقوب عطا کئے اور ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب قرار دے دی"

اور یہی آیت آگے چل کر یہ کہتی ہے کہ یہ ہماری طرف سے ابراہیم کو دنیا میں اجر کے طور پر عطا ہوا ہے اور اس اجر کو اولاد ابراہیم سے کوئی نہیں چھین سکتا جو خدا نے عطا کر دیا ہے چاہے اولاد اسحٰق میں رہے اور چاہے اولاد اسمٰعیل میں۔ اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں:

"ف۔ 11' یعنی حضرت ابراہیم کے بعد بجز ان کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے اسی لئے ان کو ابو الانبیاء کہا جاتا ہے"

تفسیر عثمانی ص - 517

اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ خدا نے حکومت الہیہ کو "**اتینا هم ملکا عظیما**" (النساء 54) کے ذریعہ آل ابراہیم میں منحصر اور ان ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

یہ حکومت الہیہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے اولاد یعقوب یعنی بنی اسرائیل میں گھومتی رہی اور "**تنزع الملک ممن تشاء**" (آل عمران - 26) کے ذریعہ بنی اسرائیل سے تبدیل کر کے اولاد اسمٰعیل میں محمد و آل محمدؐ کے لئے مخصوص و منحصر کر دی گئی ہے۔

خداوند تعالیٰ صرف اور صرف فقط ان مذہبی پیشواؤں کی حکومت کو اپنی حکومت قرار دیتا ہے اور حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک حکومت الہیہ کے حقیقی فرمانروا سب کے سب مذہبی پیشوا ہی تھے مگر آج ہمارے مدارس میں قرآن اور اسلام کی تعلیمات کے خلاف یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ اسلام مذہبی

پیشواؤں کی حکومت کا قائل نہیں ہے۔

خداوند تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے ذریت ابراہیم میں معصوم ہستیوں کو اپنی حکومت الہیہ کے لئے مخصوص و نامزد کر دیا ہے مگر ہمارے مدارس میں آج قرآن اور اسلام کے خلاف یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ اسلام کسی خاص خاندان کے لئے حکومت الہیہ کا دعویدار نہیں ہے۔ یہ سب اصول طاغوتی حکومتوں کی تائید میں بنائے گئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو حکومت الہیہ کے حقیقی فرمانرواؤں کی اطاعت سے باز رکھا جا سکے۔ چونکہ حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کی اطاعت میں جبرو اکراہ نہیں ہے جیسا کہ خود خدا کی تشریعی حکومت میں انسانوں کے لئے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے لہذا خدا کے مقرر کردہ پیشواؤں کے پاس حکومت ظاہری اور اقتدار نہ ہونے سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ خدا نے انہیں حکومت نہیں دی ہے جبکہ یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ خدا کی حکومت دو طرح سے ہے۔

نمبر1 حکومت تکوینی ...... نمبر2 حکومت تشریعی

خدا کی تکوینی حکومت

خدا وند تعالیٰ کے احکام دو طرح سے نافذ ہوتے ہیں۔ نمبر1 تکوینا" نمبر2 تشریعا"۔ تکوینی احکام کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ"

الاعراف - 54

اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو اس شان سے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے حکم کے تابع ہیں"

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"و لہ اسلم من فی السموت و الارض طوعا و کرھا و الیہ یرجعون   آل عمران - 83

"اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں چارو ناچار برضا و رغبت اور بکراہت اسی کے مطیع ہیں اور اسی کے حضور میں لوٹ کر جائیں گے"

یہ خدا کی تکوینی حکومت ہے جس سے اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی سرمو اختلاف نہیں کر سکتا۔

خدا کی تشریعی حکومت

خداوند تعالٰی کی تشریعی حکومت صرف جنوں اور انسانوں پر ہے کیونکہ خداوند تعالٰی نے جنوں کو اور انسانوں کو ارادہ و اختیار کا مالک بنایا ہے لہٰذا ان پر اپنی اطاعت کے لئے کسی قسم کا جبر روا نہیں رکھا اور واضح طور پر ان کے لئے یہ دستور بنایا کہ:

"لا اکرہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یئومن باللہ فقداستمسک بالعروۃ الوسقی لن فصام لھا واللہ سمیع علیم "

البقرۃ - 256

"یعنی دین اور اطاعت خداوندی کے بارے میں (جن و انس میں سے کسی پر بھی) کوئی جبرو اکراہ اور زبردستی نہیں ہے۔ یقیناً ان کے لئے ہدایت اور گمراہی کو واضح طور پر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے یقینی طور پر اس نے اس مضبوط رسی کو پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

اس آیت میں **"فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ"** کے الفاظ کے ذریعہ ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن بھی اور انسان بھی "طاغوت" اور "اللہ" دونوں میں سے

کسی بھی ایک کی بات اور حکم ماننے میں آزاد ہیں اور وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے دونوں میں سے کسی کی بھی بات مان سکتے ہیں۔

دوسرے چونکہ اطاعتیں صرف دو ہی ہیں' ایک "اللہ" کی اطاعت دوسرے "طاغوت" کی اطاعت اور اطاعت ہی سے حکومت ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حکومتیں بھی صرف دو طرح کی ہیں' ایک حکومت الہیہ' اور دوسرے "طاغوتی حکومتیں" لیکن خداوند تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے یا ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ کا حکم مانیں اور اس کے سوا اور کسی کی حکومت کو تسلیم نہ کریں جیسا کہ سورۃ الزاریات میں ارشاد ہوا ہے:

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

الزاریات - 56

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری ہی بندگی کریں ور صرف میرا ہی حکم مانیں"

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی غرض خلقت بیان فرمائی ہے اور وہ ہے "لیعبدون" لفظ "یعبدون" سے پہلے "ل" تعلیل کے لئے ہے اور یہ لفظ جنوں اور انسانوں کی خلقت کی غرض و غایت اور علت کو بیان کرنے کے لئے آیا ہے اور الا کے حرف استثنا کے ذریعہ دوسری تمام اغراض اور علتوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے یعنی جنوں اور انسانوں کے پیدا کرنے کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اس کا سادہ مطلب ایک تو یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کی عبادت کے سوا اور کوئی کام نہ کریں اور اسی سے عبادت کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے یعنی ہر وہ کام جو اللہ کے حکم کے مطابق بجا لائے عبادت ہے۔

راغب اصفہانی اپنی لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں:

"" "العبودیتہ" کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت و انکساری ظاہر کرنا' مگر "العبادۃ" کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔

مفردات القرآن مادہ ع باد

آیات قرآنی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک کسی کا محکوم ہونا سب سے بڑی ذلت ہے' چونکہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو "لقد کرمنا بنی دم" (بنی اسرائیل - 70) کے واضح اعلان کے ذریعہ بہت بڑی عزت بخشی ہے اور ساری کائنات پر اس کو برتری عطا کی ہے لہٰذا وہ نہیں چاہتا کہ کوئی انسان اس کے سوا اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان یا اور کسی مخلوق کا محکوم بن کر ذلیل و رسوا ہو اور نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد وغیرہ کو اسی لئے عبادت کہا جاتا ہے کیونکہ ان امور کے بجا لانے کا حکم خدا نے دیا ہے اور انسان خدا کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کا حکم بجا لاتا ہے۔

اور نماز میں چونکہ خدا کا حکم ماننے کے ساتھ ساتھ ذلت و انکساری کا سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر عملی مظاہرہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو افضل ترین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں شیطان کا حکم ماننے کو شیطان کی عبادت سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین میں ارشاد ہوا ہے:

"الم اعهد اليكم يبنى ادم ان لا تعبدوا الشيطن انه لكم عدو مبين' و ان اعبدونى هذا صراط مستقيم' و لقد اضل منكم جبلا" كثيرا" افلم تكونوا تعقلون

یٰسین - 60 تا 62

"یعنی اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو یہ حکم نہیں دے دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ یقیناً تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری

ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور یقیناً اس نے تم میں سے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے تو کیا تم خود کوئی سمجھ نہ رکھتے تھے"

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو یہ یاد دلایا ہے کہ میں نے تو تمہیں شیطان کی عبادت کرنے سے منع کیا تھا مگر تم پھر بھی اس کی عبادت کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بہت سے انسانوں نے پتھروں کے بنے ہوئے بتوں کو بھی پوجا ہے۔ لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کو بھی پوجا ہے درختوں کو بھی پوجا ہے حیوانات کو بھی پوجا ہے چاند کو بھی پوجا ہے سورج کو بھی پوجا ہے ستاروں کو بھی پوجا ہے اور اسی طرح کائنات کی اور دوسری بہت سی چیزوں کو پوجا ہے اور ان کی عبادت کی ہے لیکن بظاہر شیطان کو کبھی نہیں پوجا' خداوند تعالیٰ نے اتنی بہت ساری چیزوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا جنہیں واقعتاً" انسانوں نے پوجا تھا اور بظاہر جس کی کبھی عبادت نہیں کی اور اسے کبھی نہیں پوجا اس کا نام لے کر کہا کہ میں نے تو تمہیں شیطان کی عبادت سے منع کیا تھا مگر تم پھر بھی اسی کی عبادت کرنے لگ گئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ انسانوں نے ان تمام چیزوں کی شیطان کے بہکانے سے اور اس کے حکم سے پرستش کی ہے لہٰذا قدرت نے ان تمام چیزوں کی پرستش کو شیطان کی عبادت قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قول کو حکایتاً" نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

"یابت لا تعبد الشیطن ان الشیطن کان لرحمن عصیا"

مریم - 44

اس آیت کا ترجمہ اہل سنت کے معروف عالم شیخ الهند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے:

"اے باپ میرے مت پوج شیطان کو بے شک شیطان ہے رحمٰن کا

نافرمان"

تفسیر عثمانی ص 400

قرآن کریم کے ہر قاری کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات "آذر" سے کہی تھی اور آذر بت تراش بھی تھا' بت فروش بھی تھا اور بت پرست بھی تھا لیکن اس کے کسی قول سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ شیطان کو پوجا کرتا تھا مگر حضرت ابراہیمؑ کہتے ہیں کہ "مت پوج شیطان کو" کیونکہ آذر بتوں کی پرستش شیطان کے بہکانے' شیطان کے حکم اور شیطان کے اغواء سے کیا کرتا تھا لہٰذا خدا نے شیطان کا حکم ماننے کو ہی شیطان کی عبادت کہا ہے۔

اس آیت کی تفسیر اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھی ہے:

> ف۔6"بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی اور نافرمان کی پرستش رحمان کی انتہائی نافرمانی ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ خدا نے کسی کا حکم ماننے اور اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا ہے جبکہ خدا کا ہر حکم ماننا خدا کی عبادت ہے۔

حکومت الٰہیہ کا نظام

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خدا وند تعالٰی کسی کے پاس چل کر نہیں جا سکتا' نہ کوئی آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی وہ کسی کو دکھائی دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی میں یہ طاقت اور صلاحیت ہے کہ وہ بذات خود براہ راست خدا سے احکام حاصل کر سکے۔ لہٰذا جنوں اور انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ خدا وند تعالٰی کوئی ایسا نظام مقرر کرے جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ جنوں اور انسانوں پر حکومت کر سکے یعنی اپنے احکام ان تک پہنچا سکے۔

قرآن کریم کے ہر قاری کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ خداوند تعالٰی نے انسانوں سے پہلے جنوں کو ہماری اس زمین پر آباد کیا تھا جیسا کہ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوا ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون' والجان خلقناه من قبل من نار السموم

الحجر- 27

"اور بے شک ہم نے انسان کو تو کھنکھناتے ہوئے بنے ہوئے گارے سے خلق کیا ہے اور جنوں کو ہم نے (انسانوں سے بھی) پہلے نہایت تیز آگ سے پیدا کیا تھا"

جنوں کے بارے میں خداوند تعالٰی نے قرآن کریم کی کئی سورتوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یہاں تک کہ قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ جن ہے اس سورۃ کی پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا" عجبا" یھدی الی الرشد فامنا بہ و لن نشرک بربنا احدا""

الجن - 2'1

اے رسول! تم کہ دو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں میں سے کچھ

لوگوں نے کان لگا کر سنا پھر یہ کہا کہ بے شک ہم نے ایک عجیب (پڑھنے کی کتاب) قرآن کو سنا ہے جو نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

خدا وند تعالیٰ نے اسی سورۃ میں ان کا وہ قول بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے میں سے ایک جن (ابلیس) کے بارے میں کہا تھا کہ:

"و انہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططا"

الجن - 4

اور بے شک ہم میں سے ایک احمق خدا کے برخلاف لغو بکواس کیا کرتا تھا"

خدا وند تعالیٰ نے اسی سورۃ میں جنوں کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"و انا منا الصلحون و منا دون ذالک کنا طرایق قددا"

الجن - 11

اور بے شک ہم میں سے کچھ تو نیک ہیں اور ہم ہی میں سے کچھ اس کے علاوہ دوسرے ہیں، ہم کئی طریقے کے فرقے ہیں"

اور اسی سورۃ میں خدا وند تعالیٰ نے جنوں کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"و انا منا المسلمون و منا القاسطون فمن اسلم فاولئک تحروا رشدا"

الجن - 14

اور بے شک ہم میں سے کچھ مسلم و فرمانبردار ہیں اور ہم میں سے کچھ نافرمان ہیں۔ پس جو فرمانبردار ہوا تو ایسے ہی لوگ تو سیدھے راستے پر ہیں۔

اور اسی سورۃ میں خداوند تعالیٰ نے جنوں کا یہ قول نقل کیا ہے:

"و انا لما سمعنا الھدی امنا بہ فمن یومن بربہ فلا یخاف بخسا ولا

رهقا

الجن - 13

"اور بے شک ہم نے جب بھی کوئی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لایا تو اسے نہ تو کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ ہی عذاب کا"

قرآن کریم کی ان مذکورہ آیات سے اور ان کے علاوہ اور بہت سی دوسری آیات سے جو باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

1- جن انسانوں سے پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہ پہلے سے زمین پر آباد تھے۔

2- جن بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں اور اپنی تکلیف شرعی کو ادا کرنے کے لئے انہیں بھی ہدایت کی ضرورت ہے۔

3- جنوں میں نیک اور ایمان والے بھی ہیں اور فاسق و نافرمان بھی۔

4- جب بھی خدا کا بھیجا ہوا کوئی ہادی آیا جنوں میں سے کچھ نہ کچھ جن اس پر ضرور ایمان لائے۔

5- جب پیغمبر اکرمؐ اس جہان میں تشریف لائے تو جنوں میں بہت سے جن قرآن پر اور پیغمبر اکرمؐ پر ایمان لائے تھے۔

6- جن بھی انسانوں کی طرح مکلف ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد ہیں اور ارادہ و اختیار کے مالک ہیں لہذا حضرت آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد انسانوں کی طرف جتنے بھی رسول آئے وہ جنوں اور انسانوں دونوں کی ہدایت کے لئے آئے اور وہ جنوں اور انسانوں دونوں کی طرف خدا کی تشریعی حکومت کے نمائندہ اور فرمانروا تھے جس کا ثبوت سورۃ الانعام کی یہ آیت ہے:

"یمعشر الجن والانس الم یا تکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی و ینذرونکم لقاء یومکم ھذا"

الانعام - 30

"روز محشر جنوں اور انسانوں دونوں سے پوچھا جائے گا کہ اے گروہ جن

و انس کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیتیں سناتے اور آج کے دن جو (مصیبت) تم کو پیش آنے والی ہے اس سے تمہیں ڈراتے"

اس سے ثابت ہوا کہ آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد سے جنوں اور انسانوں کا نظام شریعت مشترک ہے اور یہ دونوں ایک ہی نظام ہدایت کے ماتحت رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے جنوں کو ہدایت کون دیتا تھا؟ اور ان کے پاس احکام الٰہی کون پہنچاتا تھا۔ کیا جن زمین پر بغیر کسی ہدایت کے بسر کر رہے تھے؟ اور ان کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں تھا؟ یا ان کی ہدایت کا بھی کوئی انتظام خدا نے کیا ہوا تھا؟ جبکہ مسلمہ طور پر جن مکلف ہیں اور ہر مکلف کو ہدایت دینا خداوند تعالیٰ نے خود سے اپنے ذمہ لیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ:

"ان علینا للھدیٰ"

الیل - 12

"بے شک ہر مکلف کو ہدایت کرنا ضرور ضرور ہمارے ذمہ ہے"

لہٰذا ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا کسی کو مکلف تو کرے لیکن اس کی ہدایت کا کوئی انتظام نہ کرے۔ پس ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے ان کی ہدایت کا کوئی نہ کوئی انتظام کیا ہو چنانچہ قرآن کریم کی ایک آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی رسالتؑ کے فرائض ادا کرنے کے لئے انسانوں کے علاوہ فرشتوں میں سے بھی کچھ فرشتوں کو منتخب کرتا رہا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں بیان ہوا ہے کہ:

"اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس"

الحج - 75

"یعنی اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو چھانٹ لیتا ہے"

"اور راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے مطابق یصطفی اور اصطفی کا لفظ

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا ان رسولوں میں وہ خوبیاں اور صلاحیتیں پیدائشی طور پر ودیعت کر دیتا ہے جو اس کے کار رسالتؑ کے انجام دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔

اور بعض مستند اسلامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے کچھ فرشتے بھی خدا نے زمین پر بھیجے ہوئے تھے اور یہی فرشتے تھے وہ جن کا جانشین بنانے کا خدا نے ان کے سامنے **انی جاعل فی الارض خلیفتہ** (البقرۃ - 30) کہ کر اعلان کیا تھا۔

اور اس اعلان کا فرشتوں نے جو جواب دیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کو خداوند تعالیٰ نے جنوں کی ہدایت پر مامور کیا ہوا تھا لہٰذا جب خدا نے ان کے سامنے یہ اعلان کیا کہ اب میں تمہاری جگہ تمہارا جانشین بنا کر ہدایت کے لئے کسی اور کو مقرر کر رہا ہوں تو وہ حیران و ششدر رہ گئے کیونکہ ان کے سامنے زمین پر جو مخلوق مکلف حیثیت میں آباد اور موجود تھی وہ صرف قوم جن تھی جن میں یہ قابلیت اور صلاحیت نہیں تھی کہ وہ کار ہدایت اور خدا کی رسالتؑ کو انجام دے سکیں لہٰذا وہ بجاطور پر یہ سمجھے کہ یہ ہمارا خلیفہ اور جانشین بننے کے اہل نہیں ہیں اور ان کا یہ سمجھنا بربنائے قیاس نہیں تھا بلکہ ان فرشتوں کو خود خدا نے اس مخلوق کی ان صفات سے آگاہ کیا تھا جس کا ذکر فرشتوں نے کیا۔

اس کی تفصیل تو آگے آئے گی یہاں پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ خدا جنوں کو مکلف بنا کر ہرگز ہرگز بغیر ہدایت کے نہیں چھوڑ سکتا تھا بلکہ اس نے اپنے کچھ مقرب فرشتوں کو ان کی ہدایت کے لئے زمین پر بھیجا ہوا تھا اور آدم علیہ السلام کو ان کا ہی خلیفہ بنانے کے لئے ان کے سامنے اس کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔

اعلان خلافت کی آیت سے پہلے کی آیت سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ انسانوں کو زمین پر بھیجنے سے پہلے خداوند تعالیٰ نے زمین پر ان تمام چیزوں کو خلق فرمایا جن کی انسانوں کو ضرورت تھی اور وہ آیت یہ ہے:

"ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمعیا"

البقرة - 29

"خدا وہی تو ہے جس نے زمین کی کل چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک خداوند تعالیٰ نے زمین کو تمام انسانی ضروریات اور آسائش کی تمام چیزوں سے آراستہ نہیں کر لیا آدم علیہ السلام اور ان کی تمام ذریت کی ارواح کو جو قیامت تک آنے والی تھیں پیدا کر کے عالم ارواح میں ہی رکھا اور عالم ارواح میں ہی ان سے اپنی ربوبیت کا عہدوپیان **"الست بربکم"** کہہ کر لیا۔ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس پر سب ارواح بنی آدمؑ نے " **قالو بلی شهدنا**" (الاعراف - 172) کہہ کر جواب دیا یعنی انہوں نے کہا! ہاں ! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہی تمام ارواح بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے لیا تھا جو خلق و رزق، احیاء و اماتت، تربیت و پرورش اور ساری کائنات کا ادارہ کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے کے معنی دیتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہی نظام حکومت الہیہ اور اپنے نظام تشریعی کا تمام ارواح بنی آدمؑ کے سامنے اعلان فرما دیا تھا تاکہ قیامت میں بنی آدمؑ خدا کی ربوبیت کی طرح یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ نظام حکومت الہیہ کیا ہے اور وہ اعلان یہ تھا کہ:

"یبنی ادم اما یاتیکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون"

الاعراف - 30

"اے اولاد آدم! تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول ضرور آئیں گے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائیں گے پس جو تقویٰ اور نیکی اختیار کریں گے ان پر نہ تو کوئی خوف طاری ہو گا اور نہ ہی وہ رنج اٹھائیں گے"

اس آیت میں کچھ باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نمبر1 - "فمن اتقی" انسان کی حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کو بیان کرتا ہے یعنی جو انسان حریت و آزادی اور اپنے ارادہ و اختیار سے تقویٰ اختیار کرنا چاہے وہ تقویٰ اختیار کرے اس پر کوئی جبر نہیں ہے اور اگر وہ تقویٰ اختیار نہ کرنا چاہے تو بھی آزاد و خودمختار ہے۔

اور تقویٰ کا سادہ الفاظ میں مفہوم یہ ہے کہ خدا کے ہر حکم کو بجا لائے اور اس کے کسی حکم سے انحراف نہ کرے جس کام کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اسے انجام دے اور جس کام کے کرنے سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جائے اور اس کے کسی بھی حکم سے انحراف کرنے سے ڈرتا رہے۔ یہ اطاعت و فرمابرداری بلا جبرو اکراہ ہے اور اسی بات کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہوا ہے:

"ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمعیا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مئومنین"

یونس - 99

"یعنی اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے تو پھر کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں"

نمبر2 - "یاتینکم رسل منکم" یعنی تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسولؐ ضرور آئیں گے۔

اس آیت میں خدا نے "الانبیاء" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "رسل" کا ایک ایسا جامع لفظ استعمال کیا ہے جس کا انبیاء کے لئے بھی اطلاق ہوتا ہے اور ان فرشتوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے جنہیں خدا اپنے احکام اور پیغام دے کر بھیجتا ہے حالانکہ فرشتے نبی نہیں ہوتے اور منصوص من اللہ آئمہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ "انی جاعلک للناس اماما" بے شک میں

تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں حتیٰ کہ ان حوارئین عیسیٰ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جنہیں حضرت عیسیٰؑ نے خدا کے حکم سے انطاکیہ کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا حالانکہ نہ تو وہ نبی تھے' نہ فرشتے تھے اور نہ ہی منصوص من اللہ آئمہ تھے اور ان کا قصہ خداوند تعالیٰ نے سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 14 سے 17 تک بیان فرمایا ہے جو اس طرح ہے:

"واضرب لهم مثلا اصحب القريته اذ جاء ها المرسلون' اذ ارسلنا اليهم الثنين فكذ بو هما فعززنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون' قالو ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمان من شئی ان انتم الا تكذبون' قالو ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون' وما علينا الا البلاغ المبين'

یٰسین - 14 تا 17

"یعنی اے رسول! تم ان کے لئے اس بستی (انطاکیہ) والوں کی مثل بیان کرو کہ جس وقت ہمارے بھیجے ہوئے رسول اس بستی میں آئے' جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعے (ان دونوں رسولوں) کو قوت پہنچائی اور ان تینوں رسولوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں' بستی والوں نے کہا کہ تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو' اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے تم تو نرا جھوٹ بول رہے ہو۔ تب انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہم پر سوائے کھول کر بیان کر دینے کے اور کچھ نہیں ہے"

یہ آخری فقرہ وہی ہے جو خدا نے تمام رسولوں کے فریضہ اور فرض منصبی کو نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور انطاکیہ والوں نے بھی ان رسولوں کو وہی جواب دیا جو اکثر امتیں اپنے رسولوں کو دیا کرتی تھیں۔ انطاکیہ کے لوگوں کے پاس بھیجے گئے رسولوں کے بارے میں بعض نے یہ کہا ہے کہ خدا نے براہ راست اپنے حکم سے ان کو بھیجا تھا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے

انہیں انطاکیہ بھیجا تھا۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انطاکیہ میں بھیجے گئے یہ تینوں رسول نہ تو نبی تھے نہ ہی فرشتے تھے اور نہ ہی منصوص من اللہ امام تھے۔ البتہ انہیں حتما" خدا نے بھیجا تھا چاہے براہ راست حکم دیا ہو یا بالواسطہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انہیں حکم دیا ہو اور انہوں نے نہ صرف یہ کہا کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی طرف سے بھیجے جانے کے ثبوت میں خدا نے ان کے ہاتھوں پر وہی معجزہ بھی دکھایا جو حضرت عیسیٰ دکھایا کرتے تھے۔ پس نظام حکومت الہیہ عالم رواح میں ہی روشناس کرا دیا گیا تھا کہ تمہاری طرف میرے بھیجے ہوئے رسول آیا کریں گے ان کا حکم مرا حکم ہو گا اور ان کی اطاعت میری اطاعت ہو گی چنانچہ اس بات کو سورۃ نساء میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"

النساء - 64

"اور ہم نے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر صرف اس لئے کہ خدا کے حکم کے بموجب اس کی اطاعت کی جائے"

اور اسی سورۃ کی ایک دوسری آیت میں واضح طور پر یہ بھی بتلا دیا کہ رسول کا حکم میرا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولی فما ارسلناک علیهم حفیظا"

النساء - 80

"یعنی جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے یقیناً خدا ہی کی اطاعت کی اور جو رسول کے حکم سے انحراف کرے گا تو ہم نے تم کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا"

اور اسی نظام حکومت الہیہ کو بیان کرتے ہوئے سورۃ الحدید میں کہتا ہے:

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم

الناس بالقسط"

الحدید - 25

"بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قیام کریں"

اسی نظام حکومت الٰہیہ کو بیان کرتے ہوئے سورۃ النحل میں یوں ارشاد ہوا:

"ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت"

النحل - 34

اس آیت کا ترجمہ اہل سنت کے معروف عالم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے یوں کیا ہے:

"اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے سے"

اور اس آیت کی تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے یون بیان فرمائی ہے:

"ف - 5، یعنی اپنے وقت پر، پھر آخر میں پیغمبر عربی صلعم کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا"

اس کے بعد تنبیہہ کا نوٹ یوں لکھا ہے۔ اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلاواسطہ بھیجا گیا ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں ہادی و نذیر کہا جا سکتا ہے۔ دوسری اقوام میں بھیجے جائیں ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔

"پھر طاغوت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ف 6، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں، ہڑونگا وہ جو ناحق سرداری کا دعوے کرے کچھ سند نہ رکھے ایسے کو طاغوت کہتے ہیں، شیطان اور زبردست

ظالم سب اس میں داخل ہیں"

تفسیر عثمانی ص - 350

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اپنے ترجمہ میں امت کا کوئی ترجمہ نہیں لکھا بلکہ امت کا لفظ جوں کا توں لکھ دیا ہے لیکن لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں راغب اصفہانی نے "الامتہ" کے تین معنی لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"ہر وہ جماعت جن کے مابین رشتہ دینی ہو، یا وہ جغرافیائی یا عصری وحدت میں منسلک ہو، پھر وہ رشتہ اور تعلق اختیاری ہو یا غیراختیاری، اس کی جمع "امم" آتی ہے"

اس سے ثابت ہوا کہ ایک دین سے تعلق رکھنے والے بھی ایک امت ہیں، ایک جغرافیائی حدود میں محدود رہنے والے لوگ بھی ایک امت ہیں اور ایک زمانہ میں رہنے والے تمام لوگ بھی ایک امت ہیں۔

قرآن کریم میں بھی یہ لفظ "امت" زمانہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں ارشاد ہوا ہے۔

"وادکر بعد امتہ"

یوسف - 45

اہل سنت کے معروف عالم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"اور یاد کیا اس کو مدت کے بعد"

اس صورت میں:

"ولقد بعثنا فی کل امتہ رسولاً" ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت"

النحل - 34 کا

کامطلب یہ ہوا کہ: "ہم نے ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور معبوث کیا ہے تاکہ تم اللہ کی اطاعت و بندگی کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ"

اس آیت میں خدا نے "نبی" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "رسول" کہا ہے اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہر رسول کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ البتہ خدا نے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنا رسول بنایا ہے اور ہر رسول خدا کی طرف سے حکومت الہیہ کا نمائندہ اور اس کا مقرر کردہ حاکم و فرمانروا ہوتا ہے اور اس عالم ظاہر میں اس رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اگر ہر زمانہ میں کوئی رسول نہ ہو تو ایک طرح سے اس ہستی کا وجود ختم ہو جائے گا جس کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلا سکے۔

پس نظام حکومت الہیہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور مبعوث و مقرر کیا کرتا ہے نبی ہونے کی صورت میں براہ راست وحی کے ذریعہ حکم دے کر اور غیرنبی کی صورت میں بالواسطہ طریقہ سے اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ حکم دے کر جیسے انطاکیہ کے رسول جن کا ذکر سورۃ یٰسین کے حوالہ سے سابق میں گزر چکا ہے اور اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے اور اس کی اطاعت و حکومت کے علاوہ ہر حکومت کو طاغوت کی حکومت قرار دیتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے اس مطلب کو سورۃ آل عمران کی آیت 100 تا 103 میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"یاایھا الذین امنوا ان تطیعوا فریقا" من الذین اتوا الکتاب یردو کم بعد ایمانکم کافرین' و کیف تکفرون و انتم تتلی علیکم ایات اللہ و فیکم رسولہ و من یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم' یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون' واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا'

آل عمران - 100 تا 103

"یعنی اے ایمان لانے والو! اگر تم ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی

گئی ہے کسی گروہ کی پیروی کرو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے اور تم کافر ہو کیسے سکتے ہو، حالانکہ تم پر خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے گا وہ یقینی طور پر صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم رہے گا۔ اے ایمان لانے والو! اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم خدا کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کیئے ہوئے ہو اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اس کو چھوڑ نہ دینا اور اس سے جدا نہ ہو جانا"

ان آیات میں کچھ باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

نمبر1 - یہ آیات اہل ایمان سے مخاطب ہیں اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان سے خطاب کر رہی ہیں۔

نمبر2 - یہ آیات ہر زمانہ کے اہل ایمان کو تنبیہہ کر رہی ہیں کہ اگر انہوں نے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) میں سے کسی کی اطاعت کی تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

نمبر3 - پھر آیت نمبر101 میں یہ کہا کہ تم کافر کیسے ہو سکتے ہو حالانکہ تم پر خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور خدا کا رسول بھی تم میں موجود ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے ہدایت کے دونوں سرچشمے اور وسائل موجود ہیں یعنی ہدایت کے احکام بھی اور خدا کے احکام پر عمل کر کے دکھانے والا، اور ان آیات احکام کا صحیح صحیح مطلب سمجھانے والا۔ خدا کا مقرر کردہ ہادی اس کا رسول بھی اور چونکہ یہ دونوں چیزیں خدا کی طرف سے ہیں لہٰذا اس نے کہا کہ جو شخص خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے گا یعنی خدا کی طرف سے آئے ہوئے احکام اور خدا کے مقرر کردہ ہادی اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ یقینی طور پر صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم رہے گا۔

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اگر خدا کا مقرر کردہ ہادی، جو اس کی طرف سے ہدایت دینے کی وجہ سے اس کا رسول ہوتا ہے موجود نہ ہو تو اہل ایمان کے کافر ہونے کا امکان ہے بس خدا نے چونکہ اپنے اوپر انسانوں کی کوئی حجت باقی نہ رہنے دینے کا

عہد کیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اہل ایمان کی ہدایت کے لئے ہر زمانہ میں ہدایت کی کتاب اور اس کی طرف سے ہدایت دینے والا ہادی دونوں موجود رہیں۔

اور آیت نمبر 102 میں پھر "یا ایھا الذین امنوا" کہہ کر اہل ایمان سے خطاب کیا اور یہ کہا کہ "ولا تموتن الا و انتم مسلمون" یعنی تمہاری موت اس حالت میں آئے کہ تم ہر حالت میں اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہو اور اللہ کے احکام اور اس کے مقرر کردہ ہادی کی اطاعت سے سرتابی نہ کر رہے ہو۔

اور پھر آیت نمبر 103 میں یہ کہا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اسے چھوڑ نہ دینا اور اس سے جدا نہ ہو جانا تفرقوا کے معنی از روئے لغت چھوڑ دینا یا جدا ہونے کے ہیں۔

آیت نمبر 101 میں خود اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا تھا "و من یعتصم باللہ" اور آیت نمبر 103 میں اللہ کی رسی کو مضبوط کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا ہے اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا مطلب' خدا کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے اور خدا کی رسی سے مراد صرف اس کی اطاعت کرنا ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور وہ دو چیزیں ہیں خدا کی آیاتِ احکام' اور خدا کا مقرر کردہ ہادی اس کا رسول' جو ان دونوں سے متمسک رہے گا نہ تو وہ کبھی گمراہ ہو گا اور نہ ہی وہ دین سے پھرے گا اور نہ ہی وہ کافر ہو گا۔

پس ان آیات سے لازم آیا کہ ہر زمانے میں اللہ کا مقرر کردہ ہادی موجود رہے تاکہ اہل ایمان اس سے متمسک رہیں اور گمراہ نہ ہو جائیں اور اس بات کی خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ثقلین کے ذریعہ مکرر و سہ کرر بیان کر کے دے دی تھی کہ:

> "میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے میری عترت میرے اہل بیت' یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"

(مسند احمد حنبل الجزاء الثالث ص 14'17-36)

ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں بھی حدیث ثقلین کو بیان فرمایا میدان غدیر خم میں بھی لاکھوں کے مجمع میں بیان فرمایا اور پھر آخری وقت میں اپنے بستر بیماری پر اصحاب کے سامنے بھی بیان فرمایا اس کے بعد ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ:

"ولا تنافی اذا لا مانع من انه کرر علیهم ذالک فی تلک المواطن و غیرهما اهتماما" لشان الکتاب العزیز و العترة الطاهره"

صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص 89 - 90 - 135

"یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ ان سب موقعوں پر اس حدیث کی تکرار آنحضرت نے کی ہے اور ان کے علاوہ اور دیگر مقامات اور موقعوں پر بھی آنحضرت نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے تا کہ قرآن شریف اور عترت طاہرہ کی عظمت لوگوں پر واضح ہو جائے"

پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن کریم اور پیغمبر کی عترت طاہرہ ہی وہ ہدایت کے دو سرچشمے ہیں جن سے متمسک رہنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو گا کیونکہ ان کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت ہے اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور یقینی طور پر حکومت الہیہ کا سربراہ اور حقیقی فرمانروا وہی کہلا سکتا ہے جس کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جائے اور جس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہو۔

پس جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام کے تمام انبیاء و رسل بطور ہادی کے حکومت الہیہ کے سربراہ و فرمانروا تھے اسی طرح سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خدا کے حکم سے پیغمبر کے مقرر کردہ ہادی، بارہ آئمہ اطہار ہی حکومت الہیہ کے سربراہ اور فرمانروا تھے اور ان کی اطاعت مثل رسول کی اطاعت کے خدا کی اطاعت تھی اور ان کی نافرمانی مثل رسول کی نافرمانی کے خدا کی نافرمانی تھی لیکن جب ہم آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاءؐ کے زمانہ تک نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے

ہیں کہ سوائے حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ چند انبیاء کے اور کسی کو بھی اقتدار یا حکومت ظاہری حاصل نہیں ہوئی یعنی تقریبا" ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء اقتدار سے محروم ہی رہے اور ان کے زمانہ میں دوسرے لوگ ہی برسراقتدار رہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حکومت الہیہ کے نظام میں یہ بات دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے پاس حکومت ظاہری اور غلبہ و اقتدار ہے یا نہیں بلکہ دیکھنا صرف یہ چاہئے کہ آیا وہ خدا کا براہ راست مقرر کردہ یا خدا کے رسول کا خدا کے حکم سے مقرر کردہ ہے یا نہیں اگر وہ خدا کا مقرر کردہ یا خدا کے حکم سے مقرر کردہ ہے تو اس کے پاس حکومت ظاہری ہو یا نہ ہو، غلبہ واقتدار ہو یا نہ ہو، اس کی اطاعت واجب ہے اور وہی حکومت الہیہ کا سربراہ ہے اور اس کے علاوہ جو بھی ہے اور خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے برسراقتدار آیا ہے اس کی حکومت طاغوت کی حکومت ہے۔

خدا وند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"الم تر الی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک، یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطان ان یضلھم ضلالا" بعیدا""

النساء - 60

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل کیا گیا ہے وہ اس سب پر ایمان لائے ہیں وہ چاہتے یہ ہیں کہ طاغوت کو اپنا حاکم مانیں اور اپنا مقدمہ اس کے پاس پہنچائیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر بڑی گمراہی میں ڈال دے"

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا" مما قضیت و یسلموا تسلیما""

النساء - 60

"یعنی ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ مانیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے"

دوسرے لفظوں میں "و یسلموا تسلیما" کا مطلب یہ ہے کہ ہر بات میں اور ہر معاملہ میں پیغمبرؐ کے ہر فیصلے اور پیغمبر کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اور پیغمبر کے کسی حکم سے اور کسی فیصلہ سے انحراف نہیں کرنا چاہیئے۔

خدا وند تعالیٰ کے اس نظام حکومت میں جبرو اکراہ نہیں ہے جیسا کہ اس نے خود قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا" افانت تکرہ الناس
حتی یکونوا مئومنین"

یونس - 99

"یعنی اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے بھی ہیں وہ سب کے
سب ایمان لے آتے تو پھر کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ
مومن ہو جائیں"

پس خداوند تعالٰی نے نہ تو اپنے اوپر ایمان لانے کے لئے لوگوں کو مجبور کیا ہے اور نہ ہی اپنے رسولوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ زبردستی اور جبرو اکراہ کے ذریعہ میری حکومت کو تسلیم کرائیں اور اپنی اطاعت پر لوگوں کو مجبور کریں۔ خداوند تعالٰی نے تو اپنے رسولوں کے ذریعہ حکومت الہیہ کا نظام مقرر کر کے ان رسولوں کو صرف اس لئے بھیجا ہے تا کہ لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ تو تو ہمیں دکھائی نہیں دیتا تھا اور تیری طرف سے کوئی ایسی ہستی ہمارے پاس آئی نہیں تھی جس کا حکم تیرا حکم سمجھا جائے اور جس کی اطاعت تیری اطاعت کہلائے۔ خداوند تعالٰی نے اس بات کو قرآن کریم میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"رسلا مبشرین و منذرین لبئلا یکون للناس علی اللہ حجتہ بعد
الرسل و کان اللہ عزیزا" حکیما""

النساء - 165

(تمام رسولوں کا اجمالی بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ):
"یہ سب کے سب رسول جو بشارت بھی دیتے تھے اور ڈراتے بھی تھے
ان سب کو ہم نے اس لئے بھیجا تھا تا کہ ان کے آنے کے بعد اللہ پر لوگوں
کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے"

زمین پر حکومت الہیہ کا پہلا فرمانروا انسان

جب خداوند تعالیٰ نے' زمین کو تمام انسانی ضروریات اور اس کی آسائش کی تمام چیزوں سے آراستہ کر لیا تو اس نے ان فرشتوں کے سامنے' جو زمین پر جنوں کی ہدایت کے لئے مامور تھے یہ اعلان کیا کہ میں اب تمہیں تمہاری ان ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنے والا ہوں اور تمہاری جگہ تمہارا ایک جانشین مقرر کرنے والا ہوں جو تمہاری جگہ اس فریضہ کو ادا کرے گا اور اس ذمہ داری کو پورا کرے گا جو تم انجام دے رہے ہو' فرشتوں کے سامنے کئے گئے اعلان کا یہ متن سورۃ البقرۃ میں اس طرح سے ہے:

"و اذ قال ربک للملائکتہ انی جاعل فی الارض خلیفتہ"

البقرۃ - 30

"یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں ایک جانشین مقرر کرنے والا ہوں"

ہم نے اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ خلیفہ یا خلافت بذات خود کوئی منصب یا عہدہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف جانشین یا کسی کی جگہ لینے والے کے معنی دیتا ہے' چاہے وہ کسی کے تبدیل ہونے کے بعد آئے یا کسی کے مرنے کے بعد اس کی جگہ لے۔ مثلاً اگر کوئی بادشاہ مر جائے تو اس کی جگہ لینے والا اس کا جانشین ہو گا جسے عربی میں خلیفہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ عہدہ اور منصب کے لحاظ سے بادشاہ ہو گا اسی طرح کسی صدر یا گورنر یا کسی اور عہدہ اور منصب کا حال ہے کہ ان مناصب اور عہدوں کے خالی ہونے کے بعد ان کی جگہ لینے والے ان کے جانشین ہوں گے جسے عربی میں خلیفہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ اسی منصب اور عہدہ پر فائز ہوں گے جس منصب یا عہدہ کی خالی ہونے والی جگہ پر وہ آئیں گے اور علی الترتیب صدر یا گورنر وغیرہ ہوں گے نہ کہ خلیفہ جیسا کہ حضرت داؤدؑ چونکہ جالوت

بادشاہ کے مارے جانے اور حضرت طالوت بادشاہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے تھے لہٰذا وہ نبی ہونے کے باوجود ان کی جگہ لینے کی وجہ سے بادشاہ بنے اور "یا داوُدُ انا جعلناک خلیفۃ فی الارض" کا مطلب یہی ہے کہ ہم نے تمہیں طالوت کی جگہ زمین پر بادشاہ بنا دیا اور یہودی انہیں نبی' ہونے کی نسبت بادشاہ کی حیثیت سے زیادہ جانتے ہیں۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ خداوند تعالیٰ نہ تو مرتا ہے اور نہ ہی تبدیل ہوتا ہے' لہٰذا کسی کو خدا کا خلیفہ کہنا انتہائی جسارت' فحش غلطی اور خیال باطل ہے۔ البتہ لفظ خلیفہ کی خدا کی طرف نسبت اور اضافت اگر اس بناء پر ہو کہ اسے خدا نے مقرر کیا ہے تو پھر اس کے معنی خدا کا مقرر کیا ہوا خلیفہ ہو گا؟ یا خلیفہ کی اضافت خدا کی طرف اس بناء پر ہو کہ خدا نے اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کو اپنا حکم قرار دیا ہے جیسا کہ اس نے اپنے بھیجے ہوئے تمام رسولوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

اگرچہ مشہور روایات میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو کسی شخص نے خلیفۃ اللہ کہہ دیا تو انہوں نے انکار کیا اور اسے ناپسند فرمایا لیکن آج جمہوریت کے دلدادہ مفکرین ہر انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سارے خلیفے اپنے حق سے دستبردار ہو کر جس کو انتخابات کے ذریعہ یہ حق دیتے ہیں وہ خلیفہ بن جاتا ہے اور یہی غلط نظریہ آج ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہمارے بچوں کو پڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن یقینی طور پر ہر انسان خدا کا خلیفہ نہیں ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں ثابت کیا ہے۔ بہرحال جب فرشتوں نے مذکورہ اعلان سنا تو کہا کہ:

"قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک' قال انی اعلم ما لا تعلمون"

البقراۃ - 30

"فرشتوں نے کہا کہ کیا تو ایسوں کو مقرر کرے گا جو زمین میں فساد اور

خونریزی کریں اور ہم تو تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ (نسبح بحمدک) اور تیرے لئے (زمین کو کفر سے) پاک کر رہے ہیں (نقدس لک) خدا نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے"

اس آیت میں (نسبح بحمدک) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محض زبان سے "سبحان اللہ، سبحان اللہ اور الحمد للہ، الحمد للہ" کہہ رہے تھے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ جنوں کے سامنے خدا کی پاکی بیان کرتے تھے اور انہیں شرک سے روکتے تھے اور "بحمدک" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنوں کے سامنے خدا کی صفات ثبوتیہ کا پرچار کر رہے تھے۔ لہٰذا فرشتوں کا جواب بڑا واضح تھا انہوں نے اپنے کام کی طرف دیکھا اور جنوں کی صفات پر بھی نظر کی۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ تو خداوند تعالیٰ کی صفات جمال و کمال اور صفات جلال کا پرچار کر رہے ہیں اور زمین پر اس کی توحید کی تبلیغ کے ساتھ زمین کو اس کے لئے کفر سے پاک کر رہے ہیں۔ لیکن زمین پر رہنے والی اس مخلوق یعنی جنوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے یہ تو فتنہ و فساد، قتل و غارت گری اور کشت و خون کے عادی ہیں یعنی ان میں سے کوئی بھی یہ کام انجام دینے کے لائق نہیں ہے۔

فرشتوں کا جواب سن کر خداوند تعالیٰ نے جو کچھ انہیں کہا وہ بھی بڑا واضح تھا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے" یعنی وہ ایسا نہیں ہو گا اور ان میں سے نہیں ہو گا جن میں سے تم سمجھے ہو۔

اور بعض اسلامی مفکرین نے جو غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا نے ہر انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور فرشتوں نے انہیں کے بارے میں یہ قیاس کیا تھا کہ وہ فساد و خونریزی کرے گا تو انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ فرشتوں کا جواب بالکل درست تھا اور خدا کا علم غلط واقع ہوا کیونکہ زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بالکل ابتداء ہی میں قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا اور زمین پر فساد اور خونریزی کی بنیاد رکھ دی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسانوں نے فتنہ و فساد کی وہ آگ بھڑکائی ہے اور کشت و خون کا ایسا بازار گرم کیا ہے کہ جسے دیکھ کر جنوں کی قوم بھی الامان و الحفیظ پکار اٹھے۔

لیکن خدا کے جواب "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے" کا مطلب وہ نہیں ہے جو یہ اسلامی مفکرین سمجھے ہیں بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا جانشین کسی فساد کرنے والے اور خونریزی کرنے والے کو نہیں بناؤں گا بلکہ جن کو میں تمہارا جانشین بنانے والا ہوں ان کے بارے میں تمہیں کچھ علم ہی نہیں ہے تم ان کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہو' تم نے انہیں دیکھا ہی نہیں ہے اسی بناء پر خدا نے چاہا کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے ذریعہ ان تمام رسولوں کا تعارف کرا دے جن کو وہ حکومت الہیہ کا چارج دے کر زمین پر بھیجنے والا ہے تاکہ فرشتے بھی اس بات سے مطمئن ہو جائیں کہ ان کی جگہ کار ہدایت انجام دینے کے لئے ان جنوں میں سے جو فساد و خونریزی میں مصروف ہیں کسی کو ان کا جانشین نہیں بنائے گا چنانچہ پہلے تو خداوند تعالیٰ نے زمین پر آنے والے حکومت الہیہ کے سب سے پہلے فرمانروا انسان یعنی آدم علیہ السلام کو ان سب ہستیوں کا' جنہیں اس نے حکومت الہیہ کا چارج دے کر زمین پر بھیجنا تھا' عالم ارواح میں تعارف کرایا پھر ان سب ہستیوں کو آدم علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کے سامنے پیش کر دیا اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فرشتے ان ہستیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے فرشتوں سے ان کا نام دریافت فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت 31 میں بیان ہوا ہے۔

"و علم ادم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملائکته فقال انبئونی باسماء هولاء ان کنتم صادقین"

البقرۃ - 31

"یعنی آدم علیہ السلام کو خدا نے تمام کے تمام نام بتا دیئے (یا آدم علیہ السلامؑ کو ان سب کا اچھی طرح تعارف کرا دیا)

تو پھر ان سب کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ارشاد فرمایا کہ:

"یہ ہیں وہ ہستیاں جنہیں میں نے تمہارا جانشین بنا کر بھیجنا ہے اگر تم نے ان کی وہ صفات بر بنائے علم کے بیان کی ہیں اور تم اپنے اس علم میں سچے

ہو تو ان کے نام ہی بتا دو"

فرشتوں نے چونکہ ان ہستیوں کو پہلے سے دیکھا ہوا نہیں تھا لہٰذا وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کی جگہ ان جنوں میں سے ہی کسی کو ان کا جانشین بنایا جائے گا جن کو وہ اپنے سامنے فساد و خونریزی کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور خدا نے بھی ان کو جنوں کی ان صفات سے آگاہ کیا ہوا تھا اور ان جنوں کو فرشتوں کا جانشین بنانا نہ تو خدا کی شان کے لائق تھا اور نہ ہی اس کے علم و حکمت کے مطابق تھا لہٰذا انہوں نے حیرانی کے ساتھ پوچھا کہ کیا تو ان جنوں میں سے ہی جو زمین پر فساد و خونریزی کر رہے ہیں کسی کو ہمارا جانشین بنا دے گا کیونکہ جو کام تو نے ہمیں سپرد فرمایا ہے وہ تو اسے انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

چونکہ فرشتوں کا یہ خیال خداوند تعالیٰ کے علم و حکمت کے خلاف تھا لہٰذا جب انہیں اصل بات کا پتہ چلا تو انہوں نے سب سے پہلے اس غلط خیال سے خدا کا تنزیہ کیا اور پاکی بیان کی پھر ان ہستیوں کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے جو کچھ کہا تھا یہ تیرا ہی بتلایا ہوا تھا چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ان کے جواب کو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 32 میں حکایتاً" اس طرح سے بیان کیا ہے:

"قالوا سبحنک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم"

البقرۃ - 32

"فرشتوں نے کہا پاک ہے ذات تیری (یعنی تو ایسا نہیں ہے کہ فساد کرنے والوں اور زمین میں خونریزی کرنے والوں کو کار ہدایت سپرد کر کے ہمارا جانشین بنا دے" ہمیں تو ان ہستیوں کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں تھا (لا علم لنا) ہمیں تو صرف اتنا ہی علم تھا جو تو نے ہمیں بتا، سکھا اور پڑھا دیا تھا۔ (الا ما علمتنا) (کہ زمین پر رہنے والی جنوں کی قوم فساد و خونریزی کر رہی ہے) بلاشک تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے یعنی تیرا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو مبنی برجہالت ہو یا حکمت و مصلحت کے خلاف ہو۔

"الا ما علمتنا" کے الفاظ سے صاف ثابت ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا تھا وہ

بربنائے علم کے کہا تھا اور وہ علم خود خدا ہی کا دیا ہوا تھا اور "لا علم لنا" اس بات کا اقرار تھا کہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے حکومت الٰہیہ کا چارج لینے والے جتنے رسول آنے والے تھے ان کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں تھا جب آدم علیہ السلام کے ساتھ ان تمام ہستیوں کی ارواح کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور آدم علیہ السلام نے ان سب کا تعارف کرا دیا تو وہ بالکل مطمئن ہو گئے اور انہوں نے خدا کی پاکی بیان کی اور اس کے علیم و حکیم ہونے کا اقرار کیا۔ اور اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا کہ خداوند تعالیٰ حکومت الٰہیہ کے نمائندوں اور فرمانرواؤں کا اعلان و تعارف صاحب وحی، پیغمبر کے ذریعہ سے کراتا ہے۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے لہٰذا یہاں پر صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

حکومت الٰہیہ اور دنیاوی حکومتیں

ہمارے اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ صرف ان ہستیوں کی اطاعت جنہیں خود خدا نے براہ راست اپنے حکم سے مقرر فرمایا ہو یا اپنے نبی کے ذریعہ کسی کے تقرر کا اعلان کیا ہو، حکومت الٰہیہ کہلاتی ہے اس کے علاوہ تمام حکومتیں خواہ وہ بادشاہت ہوں یا آمریت ہوں یا جمہوری ہوں یا کسی اور طریقہ سے معرض وجود میں آئی ہوں سب کی سب طاغوتی حکومتیں ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ابلیس کے سجدہ آدم سے انکار کے بعد جب اس کی درخواست پر اسے مہلت دے دی تو اس نے اسی وقت یہ اعلان کر دیا تھا:

"قال رب بما اغویتنی لازینمن لهم فی الارض ولاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین"

الحجر۔ 39 - 40

"یعنی ابلیس نے کہا اے پروردگار جس کی وجہ سے تو نے مجھے مشقت

میں ڈالا ہے میں بھی دنیا میں نافرمانی کو ان کی نظروں میں زینت دے دوں گا اور تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو ہی بہکا کر گمراہ کر چھوڑوں گا"

اور سورۃ السبا میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقامن المومنین"

السبا - 20

"اور یقیناً ابلیس نے ان کے بارے میں اپنی بات کو سچ کر دکھایا کہ مومنوں میں سے ایک فریق یا گروہ کے سوا سب ہی تو اس کے پیرو ہو گئے"

چنانچہ حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ تک کے طویل عرصہ میں سوائے چند انبیاء کے انسانوں نے کسی بھی فرستادہ خدا اور مقرر کردہ خدا کو اپنا حاکم نہ مانا۔ ابلیس نے اقتدار کو ان کی نظروں میں سجا کر پیش کیا اور وہ خود سے اپنی طاقت و قوت یا اپنی تدبیروں کے بل بوتے پر حکمرانی کرنے لگے۔ اور سوائے مومنین کے ایک مختصر اور قلیل گروہ کے کسی نے بھی خدا کے مقرر کردہ حکومت الہیہ کے ان سربراہوں اور فرمانرواؤں کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور سب ہی ان طاغوتی حکومتوں کا دم بھرنے لگے۔

حکومت الہیہ کے سربراہ کا انتخاب

تعجب اس بات کا ہے کہ آج اکثر مسلمان مفکرین جب مسلمانوں کے سیاسی افکار بیان کرتے ہیں تو ابتداء میں تو سب کے سب یہی کہتے ہیں کہ:

"اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

خلافت و ملوکیت - ص 17

لیکن 1924ء سے پہلے چودہ سو سال کے عرصہ میں جو بھی کمزوروں پر چڑھائی کر

کے غالب آتا رہا مسلمان مفکرین کی اکثریت اسے ہی خلیفہ کہتی رہی اور وہ بادشاہی اس غلبہ کرنے والے کی نسل میں چلتی رہی پھر جب پہلا غالب خاندان کچھ کمزور ہوا اور کسی دوسرے نے اپنی طاقت بڑھا کر چڑھائی کر دی اور وہ اس پر غالب آگیا تو دوسرے خاندانوں کی بادشاہی قائم ہو گئی اور وہ مسلمان مفکرین اور درباری ملا انہیں ہی ظل اللہ اور ظل سبحانی اور خلیفہ کہنے لگ گئے اس طرح ان مسلمان مفکرین نے چودہ سو سال تک ہر جابر و ظالم کو' ہر فاسق و فاجر کو اور ہر عیاش بادشاہ کو ظل اللہ' اور ظل سبحانی اور خلیفہ کے لقب سے ملقب کیا اور ان کی اطاعت کو فرض گردانا اور انہیں وہ اولی الامر گردانا جس کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض کی گئی تھی لیکن جب مغرب کی جمہوریت کا چرچا ہوا تو ان مسلمان مفکرین نے پینترا بدلا اور مغرب کی جمہوریت سے مغلوب ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے بلکہ اسلام عین جمہوریت ہے اور قرآن کی آیت "و شاورھم فی الامر" اور "امرھم شوریٰ بینھم" سے غلط استدلال کیا جس کو ہم نے اپنی کتاب شیوہ حکومت اسلامی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اب جمہوریت کو عین اسلام کہنے والے مسلمان مفکرین میں سے کوئی تو یہ کہتا ہے کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے حالانکہ حضرت ابوبکر نے برملا کہا تھا کہ وہ خدا کے خلیفہ نہیں ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ انسان بحیثیت مجموعی خدا کا خلیفہ ہے اور ہر انسان اپنے حق خلافت سے دست بردار ہو کر کسی ایک کو خلیفہ کے طور پر انتخاب کرتا ہے حالانکہ چودہ سو سال کے عرصہ میں عملاً" ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہمارے بچوں کو مسلمانوں کے سیاسی افکار کے نام سے یہی کچھ پڑھایا جا رہا ہے۔

ان سب طاغوتی طریقوں نے خدا کے حق حکومت اور حق انتخاب کو ختم کر کے رکھ دیا ہے حالانکہ اس حاکم حقیقی نے کسی کو بھی اس قسم کے انتخاب کا حق نہیں دیا ہے جیسا کہ خود اس نے سورۃ القصص میں واضح طور پر بیان کیا ہے:

"و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحن اللہ و

تعالی عما یشر کون"

القصص - 68

"یعنی تمہارا پروردگار ہی جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے۔ بندوں کو (انتخاب کا) کوئی اختیار نہیں ہے اللہ ان باتوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جس میں وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں"

اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح بیان کیا ہے:

"ف - 7 - یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں ہے۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ فلیراجع"

تفسیر عثمانی ص - 509

خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں "یخلق" کے ساتھ ہی "یختار" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جس طرح خدا کے سوا کسی کو خالق ماننا شرک ہے اسی طرح اس کی حکومت میں کسی کو انتخاب کرنے کا حق دینا بھی شرک ہے اسی لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا "سبحن اللہ و تعالی عما یشر کون" یعنی اللہ ان کے اس شرک سے پاک و منزہ اور بلندو برتر ہے کہ کوئی اس کی حکومت کے کسی بھی منصب کے لئے کسی کو بھی یہ حق اور اختیار دے دے کہ وہ اس کی حکومت کے کسی بھی منصب کے لئے

کسی کا انتخاب کرے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاءؑ تک جن کو اللہ نے منتخب کر کے بھیجا۔ اللہ کی طرف سے صرف ان کی اطاعت انسانوں پر واجب اور فرض تھی ان کی اطاعت خدا کی اطاعت تھی، ان کا حکم خدا کا حکم تھا اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی تھی اگرچہ ظاہری غلبہ اور حکومت و اقتدار ہمیشہ دوسروں کے پاس رہا ہے اور یقینی طور پر خداوند تعالیٰ کا اصول و دستور، قاعدہ اور طریقہ کبھی بدلتا نہیں ہے اور اس بات کو قرآن کریم میں کئی مقام پر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے:

"فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا"

فاطر - 43

"یعنی تم خدا کی سنت اور دستور میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے"

لیکن آج ہمارے کالجوں میں جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ بدل گئی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خدا اپنی حکومت اور حق انتخاب سے دستبردار ہو گیا ہے اور اس نے پیغمبر کے بعد پہلے تو چودہ سو سال تک مسلمانوں کو یہ کھلی چھٹی دیئے رکھی کہ جو بھی کوئی جبرو ظلم سے قہرو غلبہ سے اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر غالب آ جائے۔ وہی میرا خلیفہ ہے لیکن 1924ء کے بعد سے، جب سے مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا تختہ الٹ کر نہ صرف عثمانی خلافت کا خاتمہ کیا بلکہ خلافت کے ادارے کو ہی ختم کر کے رکھ دیا اور ہندوستان میں تحریک خلافت چلانے والوں کی یہ بات بھی نہ مانی کہ آپ خلافت کے ادارے کو ختم نہ کریں، اگر آپ خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیں تو ہم آپ کو ہی خلیفہ ماننے کے لئے تیار ہیں مگر مصطفیٰ کمال پاشا نے بڑے ہی پتے کی بات کہی اس نے کہا "جب تک خلیفہ کے لفظ کو استعمال کرنے کی ضرورت تھی حکمران اس لفظ کو استعمال کرتے رہے، اب کسی حکمران کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" بالفاظ دیگر پہلے حکمران اس لفظ کو لوگوں کو بے وقوف بنانے

کے لئے استعمال کرتے تھے اب اس لفظ کے استعمال کے بغیر بھی کسی کی حکمرانی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور واقعتاً" کوئی فرق نہیں پڑا اور اس نے اپنے ملک میں جمہوریت کو رواج دے دیا اور اسی وقت سے مسلمان مفکرین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام عین جمہوریت ہے۔

اور پاکستان کے مفکرین یہ دور کی کوڑی لائے کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے اور وہ اپنے حق سے دستبردار ہو کر جسے منتخب کر لے وہ، ہی سربراہ مملکت ہے اور خلیفہ وقت ہے یہ ہے وہ گمراہ کن اور طاغوتی نظریہ حکومت جو آج ہمارے حکومتی مدارس اور کالجوں میں "مسلمانوں کے سیاسی افکار" کے نام سے پڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ خدا کی سنت بدلتی نہیں ہے اور خلق کرنا اور آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اس کی حکومت کے ارکان اور عہدیداروں کے انتخاب کا اختیار صرف اور صرف اسی کو حاصل ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر (عثمانی ص 509) کے مطابق اس کے منتخب کردہ افراد کے علاوہ جو بھی سرداری کا دعویٰ کرے وہ طاغوت ہے۔

لہٰذا اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ حکومت الٰہیہ کی اطاعت کرے تو اسے یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ ظاہری غلبہ کس کا ہے یا برسراقتدار کون ہے؟ بلکہ اسے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد خدا کے حکم سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کس کو مقرر فرمایا ہے اور کیا مقرر فرمایا ہے اور اس کا منصب کیا ہے۔

حکومت الٰہیہ کے مناصب

حکومت الٰہیہ کے مناصب معلوم کرنے کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حکومت الٰہیہ کا اصل کام کیا ہے۔ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں

معلوم ہوتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کا اصل کام ہدایت کرنا ہے جیسا کہ خدا نے قرآن کریم میں خود فرمایا ہے:

"انا علینا للھدیٰ"

الیل - 12

"بے شک ہمارا کام ضروری طور پر ہدایت کرنا ہے یا یقیناً طور پر ہدایت کرنا ضروری طور پر ہمارے ذمہ ہے"

کیونکہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اس لئے اس کے سوا کوئی بھی یہ کام انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور سے کوئی ہدایت پا سکتا ہے جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"و من یھدی اللہ فھوا المھتد"

الاعراف - 78 - بنی اسرائیل - 97

"اور جس کو خدا ہدایت دیتا ہے بس صرف وہی ہدایت پاتا ہے"

اسی لئے خداوند تعالیٰ نے جن و انس کی ہدایت کے لئے اولاد آدمؑ میں سے علیحدہ سے ایک گروہ ایسا خلق فرمایا ہے جسے وہ ہادیوں کا گروہ کہتا ہے جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"و ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون"

الاعراف - ۱۸۱

"اور ہم نے ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک گروہ، علیحدہ سے ایسا پیدا کیا ہے جو حق کی ہدایت کرتا ہے (یعنی وہ ہادیوں کا گروہ ہے) اور وہ اسی (حق) کے ساتھ عدل و انصاف کیا کرتا ہے"

اس آیت کے مطابق ان ھادیوں کا کام ہدایت کرنا بھی ہے، اور عدل و انصاف کرنا بھی جو ان کی خدا کی طرف سے حکمرانی اور فرمانروائی کی علامت ہے اور ان

ہادیوں کو حکمران مان کر ان کی اطاعت و پیروی کرنا ہدایت پانے کا سبب اور موجب بنتا ہے جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"و ان تطیعوہ تهتدوا"

النور - 54

"یعنی اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پا جاؤ گے"

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"واتبعوہ لعلکم تهتدون"

الاعراف - 109

"یعنی تم اس کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ"

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خدا جس کی اطاعت و پیروی کا حکم دیتا ہے وہ خدا کا مقرر کردہ ہادی ہوا کرتا ہے۔ اور ہادیوں کے سوا انسانوں میں سے وہ کسی کی اطاعت و پیروی کا حکم نہیں دیتا۔ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا حکم بھی اسی لئے دیا کہ وہ خدا کے مقرر کردہ ہادی تھے اور لوگوں کو حق کے ساتھ ہدایت کرتے تھے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمایا ہے:

"انک لتهدی الی صراط مستقیم"

الشوریٰ - 52

"یعنی بلاشک و شبہ یقینی طور پر ضرور ضرور تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو"

اور ہر قوم کے لئے خداوند تعالیٰ نے ایک ھادی ہونے کی اس طرح سے بشارت دی ہے:

"انما انت منذر و لکل قوم ھاد"

الرعد - 7

"یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ تم تو ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ھادی ہوا کرتا ہے"

ان تمام آیات اور بہت سی دوسری آیات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حکومت الہیہ کا نمائندہ یا حکومت الہیہ کا کام انجام دینے والا یا انسانوں میں حکومت الہیہ کا سربراہ اور فرمانروا خدا کا مقرر کردہ ہادی ہوا کرتا ہے۔ اور حکومت الہیہ کے سربراہ کا اصل کام ہدایت کرنا ہدایت دینا اور ہدایت پہنچانا ہوتا ہے اور اس کی اطاعت و پیروی اس لئے واجب ہوتی ہے تاکہ لوگ ہدایت یافتہ ہو جائیں لیکن منصب اور عہدہ کے اعتبار سے جن مناصب کا ذکر مسلمان مفکرین نے خاص طور پر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1 = خلفیہ یا خلافت

2 = نبی یا نبوت

3 = رسول یا رسالت

4 = ولی یا ولایت

5 - امام یا امامت

اب ہم ان پانچوں مناصب کا علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں:

نمبر1- خلیفہ یا خلافت

لفظ خلیفہ یا خلافت، خلف سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی کے پیچھے آنے کے ہیں، چاہے وہ کسی کے مرنے کے بعد آئے یا تبدیل ہونے کے بعد آئے اور جس کے اردو میں معنی جانشین کے ہیں۔ پس جو شخص کسی کے مرنے یا تبدیل ہونے کے بعد اس کی جگہ لے اور وہی کام انجام دے جو پہلا کیا کرتا تھا اور اسی منصب پر فائز ہو جس پر پہلا فائز تھا تو ایسا شخص اس سے پہلے منصب دار کا جانشین کہلاتا ہے اور عربی میں ایسے شخص کو جو کسی کے مرنے یا تبدیل ہونے کے بعد اس کی جگہ لے اور اسی منصب پر فائز ہو جس پر پہلا فائز تھا اور وہی فرائض انجام دے جو پہلا انجام دیتا تھا خلیفہ کہا جاتا ہے۔

بنا بریں خلیفہ یا خلافت بذاتہ اور فی نفسہ کوئی منصب یا عہدہ نہیں ہے جس صاحب منصب کا وہ جانشین یا خلفیہ بنا ہے عہدہ کے اعتبار سے وہ اسی منصب پر فائز ہو گا۔ اس مطلب کو ہم نے اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور سابقہ اوراق میں بھی اس مطلب کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے لہذا یہاں صرف اتنے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

نمبر2- نبی یا نبوت

اگرچہ نبی کے معنی خبر دینے والے کے ہیں لیکن اس لفظ کا اطلاق ہر خبر دینے والے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ "نبی وہ انسان ہوتا ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ انسان خبر پہنچانے والا ہو"۔

یہ وہ اصل منصب ہے جو بذاتہ اور فی نفسہ صرف نبی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس لفظ کا اطلاق اور کسی بھی غیر شخص پر نہیں ہوتا یہاں تک کہ فرشتے پر بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ بھی خداوند تعالیٰ کی طرف سے خبر پہنچاتا ہے۔

نمبر3 = رسول یا رسالت

اس لفظ کے معنی بھی اگرچہ پیغام پہنچانے والے کے ہیں لیکن اس لفظ کا استعمال "نبی" کی طرح سے خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام معنی کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے اور جس کی طرف اس لفظ کی نسبت ہو' اس کے ساتھ منسوب ہوتا ہے پس اگر یہ لفظ خدا کی طرف منسوب ہو تو خدا کا رسول کہلائے گا اور اگر کسی انسان کی طرف منسوب ہو تو اس انسان کا رسول یعنی پیغام رساں کہلائے گا اور جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ خدا کی طرف منسوب ہونے کی صورت میں یہ لفظ نبی کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور فرشتہ کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے جو نبی نہیں ہوتا مگر خدا کا رسول کہلاتا ہے اور ایسے انسانوں کے لئے بھی جو نہ تو نبی ہوں اور نہ ہی فرشتے ہوں بلکہ وہ خدا کے براہ راست حکم سے بھیجے گئے ہوں یا انہیں بالواسطہ طریقہ سے کسی نبی کے ذریعہ حکم دے کر بھیجا گیا ہو ایسے انسان بھی خدا کے رسول کہلاتے ہیں جیسے خدا کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ انطاکیہ میں بھیجے ہوئے رسول تھے جن کا ذکر سورۃ یٰسین میں آیا ہے اور اوراق سابقہ میں بھی ان کی طرف اشارہ ہوا ہے اور اسی بناء پر خدا کے حکم سے پیغمبر کے مقرر کردہ منصوص من اللہ اماموں پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہو گا۔

اور "رسول" کی جمع عربی میں "رسل" آتی ہے اور چونکہ خداوند تعالیٰ نے اس لفظ کا اطلاق و استعمال نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے کیا ہے لہٰذا اس نے ایمان لانے یا اطاعت کرنے کا حکم دینے کے لئے نبی یا انبیاء کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ہر جگہ "رسول" یا "رسل" کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے:

"قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول' فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین"

آل عمران - 33

"یعنی کہہ دو تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو یقیناً اللہ انکار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

اور عالم ارواح میں جب اولاد آدمؑ سے عہدو پیان لیا تو اس وقت بھی اطاعت کے ضمن میں انبیاء نہیں کہا بلکہ رسل کہا کہ:

"یبنی ادم اما یاتینکم رسل منکم"

الاعراف - 35

"یعنی اے آدم کی اولاد! تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں گے۔ (تم ان کی اطاعت کرنا)"

اور مومنین کے ایمان کو خداوند تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"کل امن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ' لا نفرق بین احد من رسلہ"

البقرۃ - 285

"یعنی سب (سچے مومنین) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے ہیں (اور وہ یہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کی (تصدیق) میں کوئی تفریق نہیں کرتے"

اور خدا وند تعالیٰ صرف انہیں لوگوں کو صحیح معنوں میں "صدیق" یعنی تصدیق کرنے والا اور شہید یعنی شہادت اور گواہی دینے والا قرار دیتا ہے جو اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کریں خواہ اس نے انہیں براہ راست حکم دے کر بھیجا ہو یا کسی نبی کی معرفت انہیں ہدایت خلق پر مامور کیا ہو اور نبی نے خدا کے حکم سے انہیں مقرر فرمایا ہو' جیسا کہ خدا نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"والذین امنوا باللہ و رسلہ اولیک هم الصدیقون والشهداء عند ربهم
"

الحدید - 19

"اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی تو اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں"

پس لفظ رسول عام ہونے کے باوجود جب اس لفظ کی نسبت خدا کی طرف ہو گی تو یہ خدائی منصب ہو گا اور جب کسی دنیاوی حکومت یا فرد کی طرف ہو گی تو یہ اس دنیاوی حکومت یا فرد کا رسول کہلائے گا۔

اور یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا نے "رسلہ" کہا ہے۔ "انبیائہ" نہیں کہا۔

نمبر4 - ولی یا ولایت

لفظ ولی یا ولایت بکثرت معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان میں سے سب سے زیادہ مشہور دو ہی ہیں۔

نمبر1 = دوست یا دوستی

نمبر2 = حاکم و سرپرست یا حکومت

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دوست یا دوستی کسی منصب یا عہدہ کا نام نہیں ہے۔ رہا لفظ حاکم تو یہ لفظ بھی کسی منصب یا عہدہ کا نام نہیں ہے بلکہ کسی صاحب منصب کے اختیار حکومت و اقتدار کو ظاہر کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً جمہوری حکومتوں میں ہم صدر کو بھی حاکم کہیں گے' وزیراعظم کو بھی حاکم کہیں گے اور گورنر کو بھی حاکم کہیں گے۔ ہم ان کے لئے لفظ حاکم ان کے اختیار و اقتدار کے اظہار کے لئے بولتے ہیں اصل منصب ان کا صدر ہونا' وزیراعظم ہونا یا گورنر ہونا ہے۔ پس لفظ حاکم کسی کے اختیار و اقتدار کے اظہار کے لئے آتا ہے اس سے اس کے منصب کا اظہار نہیں ہوتا۔ مثلاً

"انما و لیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یئوتون الزکوۃ و ھم راکعون" المائدہ - 55

"یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں"

یہاں پر اس آیت میں لفظ انما کے ذریعہ حصر کیا گیا ہے اور "ولیکم" میں ضمیر "کم" ایک دوسرا حصر ہے جو لفظ ولی کے معنی حاکم کے طور پر متعین کرتا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے میں حکومت کا حصر ہے یعنی بس صرف یہی تمہارے حاکم ہیں اور کوئی نہیں۔

پس اگر ولی کے معنی دوست ہوں تب بھی یہ کوئی منصب نہیں ہے اور حاکم ہوں تب بھی یہ کسی منصب کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ان صاحب مناصب کے اختیار اور اقتدار کو بیان کرتا ہے کہ وہ تمہارے حاکم ہیں۔ اب یہ اختیار و اقتدار کس حد تک ہے یہاں پر یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

نمبر5 - امام یا امامت

لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"الامام" وہ ہے جس کی اقتداء کی جائے خواہ وہ انسان ہو' یا اس کے قول و فعل کی اقتداء کی جائے یا کتاب وغیرہ ہو اور خواہ وہ شخص جس کی پیروی کی جائے حق پر ہو یا باطل پر ہو اس کی جمع "آئمہ" ہے۔

خداوند تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے ایک خدا کے حکم سے ہدایت کرنے والے اور دوسرے وہ جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔ ہدایت کرنے والے اماموں کے بارے میں کہتا ہے:

"و جعلنا هم ائمۃ یهدون بامرنا"

الانبیاء - 73

"اور ہم نے ان کو ایسے امام قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے"

اور جہنم کی طرف بلانے والے اماموں کے بارے میں کہتا ہے:

"و جعلنا ہم ائمۃ یدعون الی النار"

القصص - 41

"اور ہم نے ان کو ایسے امام قرار دیا جو جہنم کی طرف بلاتے تھے"

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا امامت کوئی خدائی عہدہ و منصب ہے یا نہیں؟ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امام بنانے کا واقعہ اس طرح سے بیان کیا ہے:

"و اذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن' قال انی جاعلک للناس اماما" قال و من ذریتی قال لاینال عھد الظالمین"

البقرۃ - 124

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کا اس کے رب نے کئی باتوں میں امتحان لیا اور ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا (تب خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو کل آدمیوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں' (ابراہیم نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (خدا نے) فرمایا' جو ظالم ہوں گے وہ میرے عہد سے فائدہ نہ اٹھائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ امتحان کن باتوں میں لیا گیا' ہم دیکھتے ہیں کہ جن باتوں کا ذکر قرآن کریم میں خاص طور پر آیا ہے وہ پہلے مرحلہ میں سورج چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والوں کے ساتھ مناظرہ ہے دوسرا بڑا امتحان باطل کے تمام بت پرستوں اور نمرود جیسے جابر بادشاہ کے خلاف مجاہدہ ہے۔ تیسرا بڑا امتحان نمرود کے حکم سے آگ میں پھینکا جانا ہے' چوتھا بڑا امتحان اپنے وطن بابل کو نمرود کے حکم سے چھوڑ کر ہجرت کرنا ہے اور پانچواں بڑا امتحان جسے قرآن نے "بلاء مبین" یعنی کھلی ہوئی آزمائش کہا ہے وہ اس اکلوتے بیٹے کی راہ خدا میں قربانی دینا ہے

جسے بڑھاپے میں دعا مانگنے کے بعد خدا نے عطا فرمایا تھا۔

اور یہ تمام امتحان جو حضرت ابراہیم نے مناظرے، مجاہدے، مبارزے اور راہ خدا میں فرزند کی قربانی کی صورت میں دیئے تھے سب کے سب بحیثیت نبی و رسول دیئے تھے اور حضرت لوطؑ کا بابل میں ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا (العنکبوت - 26) یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بابل میں تقریباً سو سال کی عمر تک بحیثیت نبی و رسول فرائض نبوت و رسالت انجام دیتے رہے تھے۔

لہٰذا حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبر کو نبوت و رسالت پر فائز رہتے ہوئے اتنے کٹھن امتحان لینے کے بعد ان کے امام بنائے جانے کا اعلان کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا کے نزدیک عہدہ "امامت" نبوت و رسالت سے علیحدہ اور جداگانہ ایک عظیم عہدہ اور منصب ہے اور یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ اس سے مراد نبوت و رسالت ہے۔

دوسرے جب خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی امامت کا اعلان کیا تو حضرت ابراہیم کا اس عہدہ کے لئے "قال و من ذریتی" کے ذریعہ اپنی ذریت کے لئے دعا کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ عہدہ امامت ایک مستقل اور نبوت و رسالت سے علیحدہ ایک منصب ہے۔

تیسرے آیت کے الفاظ "لا ینال عھدی الظالمین" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک مستقل عہدہ اور منصب ہے اور یہ فقرہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اختصار و ایجاز بیانی کی ایک بہترین اور عمدہ ترین مثال ہے۔

کیونکہ "عھد" اس وعدے اور اقرار کو کہتے ہیں جس کے پورا کرنے کا کسی نے ذمہ لے لیا ہو (مفردات راغب) لہٰذا اس لفظ کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے یہ کہا جاتا کہ " اے ابراہیم میں نے تمہاری ذریت کے لئے امامت کے بارے میں تمہاری دعا کو قبول کر لیا ہے میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں یا میں تم سے یہ عہد کرتا ہوں یا میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں تیری ذریت میں بھی ضرور ضرور امام بناؤں گا" اور اتنا مضمون کہنے کے بعد کہتا کہ "لا ینال عھد الظالمین" یعنی جس وعدہ اور جس اقرار کو پورا کرنے کا میں نے ذمہ لیا ہے وہ تمہاری اولاد میں سے صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو ظالم نہ

ہوں گے بالفاظ دیگر تیری ذریت میں سے جو معصوم ہوں گے صرف ان کو امام بناؤں گا۔

اور یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اختصار و ایجاز بیانی کی عمدہ ترین مثال ہے کہ اتنے بڑے مضمون کو صرف "**لا ینال عهدی الظالمین**" کے مختصر ترین جملہ میں سمو دیا ہے۔

پیغمبر کے بعد امامت جاری ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلاشک نبی آخر الزمان بھی ہیں، خاتم الانبیاء بھی ہیں، رسول بھی ہیں اور حضرت ابراہیم کی دعا "و من ذریتی" کے مطابق حتماً امام بھی ہیں۔ بے شک اب کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن یہ امامت جس پر ذریت ابراہیم کی معصوم ہستیاں فائز ہوں گی وہ نبی تو نہ ہوں گی لیکن پیغمبر کے عہدہ امامت میں ان کی جانشین یعنی خلیفہ ہوں گی اور عہدہ امامت پر فائز ہوں گی اور خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی خبر دی ہے اور اس نے اپنے مخلص بندوں میں سے کسی مخلص بندے کی دعا کے ضمن میں اس کا واضح طور پر اعلان کیا ہے اور وہ اس طرح ہے:

"والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما، اولئک یجزون الغرفة بما صبروا و یلقون فیها تحیة و سلاما"

الفرقان - 74 - 75

"اور وہ (ہمارے خاص بندے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت کر اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔

یہی ہیں وہ ہستیاں جن کو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے جنت میں بالاخانے یا اونچا مقام دیا جائے گا اور اس میں ہر طرف سے ان کو مبارکباد دی

جائے گی اور ان کو سلام کیا جائے گا"

ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھتے ہیں:

"ف - 9 - یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو اور ظاہر ہے' مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب اپنے اہل و عیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے' دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں"

"ف 10 - یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مہتدی بلکہ دوسروں کے ئے ہادی ہوں' اور ہمارا خاندان تقویٰ و طہارت میں ہماری پیروی کرے"

تفسیر عثمانی ص - 474

حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت کے لئے امامت کی دعا کی جو غیر مشروط تھی لہٰذا خدا نے خود اس کو مشروط کیا کہ جو ظالم ہوں گے وہ میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے لیکن خدا کے اس خاص بندے نے پہلے ہی اپنی ذریت میں ایسی اولاد کی دعا کی جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو' یعنی بقول مولانا شبیر احمد عثمانی' طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن ہو' اور پھر اپنے لئے اور اپنی ذریت میں سے ان ہستیوں کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن ہوں' امامت کی دعا کی اور یہ کہا کہ " **واجعلنا للمتقین اماما"** " ہم سب کو متقین اور پرہیز گاروں کا امام و پیشواء بنا دے۔

ان آیتوں میں خدا وند تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ ایک مخلص بندہ ایسا ہے جس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے متقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے اور خدا نے قرآن کریم میں اپنے مخلص بندوں کی جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کی اس دعا کو قبول کر لیا ہے اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر کے بعد امام اور ہادی خلق ہوں گے اور وہ امام

المتقین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔

اور جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جسے پیغمبر نے امام المتقین فرمایا ہے۔ چنانچہ آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد اول کے صفحہ 514 پر ریاض النضرہ الجزاء الثانی باب الرابع فصل السادس اور حاکم کی مستدرک علی الصحیین الجزاء الثالث کتاب معرفت الصحابہ ترجمہ علی بن ابی طالب صفحہ 128 اور متقی کی کنزل العمال الجزء السادس ص 157 حدیث 2630، 2628، 2625، 2626 وغیرہ کے حوالہ سے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے:

"عن علی قال قل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین و یعسوب الدین"

"یعنی حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یا علی تم مسلمانوں کے سردار، متقین کے امام، سفید منہ والوں کے حاکم اور دین کے سردار ہو"

پس حضرت علی علیہ السلام اور ان کی ذریت ہی وہ امام تھے جس کا ذکرؔ خداوند تعالٰی نے ان کی دعا کے ضمن میں فرمایا ہے۔

اور اسی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتہ الجاھلیہ"

مسند احمدؒ حنبل الجزء الرابع ص 96

"یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا"

اگر پیغمبر کے بعد امامت جاری نہ ہوتی اور ہر زمانہ میں خدا کے حکم سے پیغمبر کا مقرر کردہ امام موجود نہ ہوتا تو پیغمبر ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا، پس قرآن کریم کی مذکورہ آیت اور

پیغمبر کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا وجود ضروری ہے جس کی اطاعت فرض کی گئی۔ اور متقین کے یہ امام ہی حکومت الہیہ کے وہ فرمانروا ہیں جنہیں خدا نے مسلمانوں کا "اولی الامر" بتایا ہے۔

پیغمبر کے بعد کسی امام کا وجود ختم نبوت کے منافی نہیں ہے

طاغوتی حکومتوں کے طرفدار پیغمبر کے بعد عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں حالانکہ ختم نبوت کے بعد عقیدہ امامت ختم نبوت کی تائید کرتا ہے کیونکہ ختم نبوت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جاری ہے اور آپ کی رحلت کے بعد آپ کا فریضہ رسالت اور کار ہدایت آپ کے جانشین ادا کریں گے جنہیں آپ نے خدا کے حکم سے مقرر فرمایا ہے اور جنہیں خدا نے آپ کے بعد ہدایت کا کام سپرد کیا ہے تا کہ حکومت الہیہ کا نظام قائم رہے اور لوگ پیغمبر کے بعد ان کی اطاعت اور پیروی کے ذریعہ ہدایت حاصل کر سکیں۔ بالفاظ دیگر قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جاری رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ ہے یہ بات کہ وہ قیامت تک لوگوں کو ہدایت کریں لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موت مقرر ہو چکی تھی لہذا خدا نے پیغمبر کے جانشین مقرر فرما کر یہ انتظام کیا کہ جو کار ہدایت پیغمبر نے انجام دینا تھا ان کا مقرر کردہ جانشین ان کی طرف سے وہ کار ہدایت اور کار رسالت انجام دیتا رہے اور پیغمبر وہ تمام علوم و معارف جو خدا نے قیامت تک آنے والے انسانوں کی ضرورت کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم فرمائے تھے اپنے بعد آنے والے امام و ہادی یعنی اپنے جانشین حقیقی کو ودیعت کر دیں۔

اور کوئی شخص کیسے انکار کر سکتا ہے اس بات سے کہ پیغمبر کے بعد امام ہوں گے جبکہ خود خداوند تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت 74 میں اپنے مخصوص انداز میں

یہ اعلان فرما دیا ہے کہ یہ دعا کرنے والا اور اس کی ذریت امام و ہادی کے منصب پر فائز ہو گی اور یہ امام پیغمبر کی طرف سے پیغمبر کے جانشین یعنی خلیفہ کے طور پر فریضہ رسالت اور کار ہدایت انجام دیں گے اور یہ سب کے سب متقین کے امام ہونے کے معنی کے اعتبار سے بھی اور ابراہیم کی دعا کے مطابق بھی، معصوم ہوں گے نیک ہوں گے اور ہدایت یافتہ ہوں گے کیونکہ پیغمبر کی طرف سے فریضہ رسالت اور کار ہدایت انجام دینے کے لئے کسی فاسق و فاجر اور ظالم و بدکار کے پیغمبر کا جانشین یعنی خلیفہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا حتمی طور پر پیغمبر کے بعد پیغمبر کے جتنے بھی جانشین یعنی خلیفہ ہوں گے وہ سب کے سب نیک اور صالح، راشد اور ہدایت یافتہ ہوں گے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے کچھ تو نیک اور صالح، راشد اور ہدایت یافتہ ہوں اور باقی سب کے سب فاسق و فاجر، ظالم و بدکار اور غیر معصوم ہوں۔ اور یہ اس لئے ضروری ہے کیونکہ پیغمبر کے یہ جانشین پیغمبر کے بعد حکومت الٰہیہ کے ایسے سربراہ ہوں گے جن کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت سمجھی جا سکے جیسا کہ خود پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خود خدا نے پیغمبر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور اس نے خود یہ فرمایا ہے کہ:

"ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

النساء - 80

"یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقینی طور پر خدا ہی کی اطاعت کی ہے"

اور جس طرح خدا نے پیغمبر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اسی طرح پیغمبر نے حضرت علیؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند احادیث یہاں پر نقل کی جاتی ہیں۔

نمبر ایک "عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ" صلی اللہ علیہ والہ وسلم لعلی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہؑ من اطاعنی فقد اطاع

اللہ و من عصانی فقد عصا اللہ و من اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی"

مستدرک علی الصحیحین حاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص 121-128

"حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ سے فرمایا کہ "جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی' اور جس نے اے علیؑ تیری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے تیری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

نمبر 2 - ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے:

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان اللہ قد فرض علیکم طاعتی و نہاکم عن معصیتی و فرض علیکم طاعۃ علی بعدی و نہاکم عن معصیتہ"

ینابیع المودہ الجزء الاول باب (4 ص 123 اسلامبول)

ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل سادس ص 172

ارجح المطالب باب 4 ص 595

"یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہ تحقیق خدا نے تم تمام مسلمانوں کے اوپر میری اطاعت فرض کر دی ہے اور میری نافرمانی سے منع کیا ہے اور اسی طرح سے اس نے میرے بعد علی کی اطاعت تم پر فرض کر دی ہے اور اس کی نافرمانی سے تم کو منع کیا ہے"

پیغمبر کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس طرح خدا نے مسلمانوں کو پیغمبر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اسی طرح سے علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے اور علیؑ علیہ السلام اور ان کی ذریت طاہرہ ہی وہ اولی الامر ہیں جن کی اطاعت کا حکم خداوند تعالیٰ نے سورۃ نساء کی آیت نمبر 59 میں دیا ہے جو اس طرح ہے:

النساء - 59

"یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

عصانی"

حابہ ص 128-121

اللہ صلی اللہ علیہ
اعت کی اور جس
اعت کی اس نے
.

م نے اس طرح

قد فرض
ی بعلی، و

سلامبول)
ں ص 172
4 ص 595

خدا نے تم
انی سے منع
رض کر دی

سلمانوں کو پیغمبر کی
ہی نے دیا ہے اور
کی اطاعت کا حکم
ہے:

النساء - 59

"یعنی اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت
والیان امر کی"

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے بلا شرط اور بلا ا
اپنی اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اطاعت مطلقہ کے
اور کسی کی اطاعت مطلقہ معصوم کے بغیر جائز نہیں
عصمت پر جہاں آیہ تطہیر گواہ ہے وہاں پیغمبر کی ایک حد
الفاظ میں بیان کرتی ہے جو اس طرح ہے:

"اصبغ بن نباتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعا
ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا "
اور حسینؑ کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں"

اردو ترجمہ ینابیع

نمبر 3 - ایک اور حدیث میں آئمہ اہل بیت کی
علیہ و آلہ وسلم نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے جو اس طرح

" علی مرتضیٰ نے کہا کہ آنحضرت نے فرمایا !
پیدا ہوں گے، جس شخص نے ان آئمہ کی اطاعت کی
کی، جس شخص نے ان آئمہ کی نافرمانی کی اس نے اللہ
مضبوط رسی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا وسیلہ

.اردو ترجمہ ینابیع

نمبر 4 - ایک اور حدیث میں جو ابو یعلی اشعری
ہے:

"ابو یعلی اشعری نے کہا کہ آنحضرت نے

طاعت کرو، ان حضرات کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان حضرات کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔"

اردو ترجمہ ینابیع المودۃ صفحہ 417 حدیث 10

بارہ جانشینوں کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث کہ میرے بعد بارہ جانشین' بارہ خلیفہ' بارہ وصی' بارہ امام یا بارہ امیر ہوں گے جملہ صحاح ستہ اور اہل سنت کی تمام مستند اور معتبر حدیث کی کتابوں میں درج ہے اور اس کی صحت پر مسلمانوں میں سے کسی بھی صاحب علم کو کوئی اختلاف نہیں ہے ہم نے اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں سے کئی احادیث کو نقل کیا ہے یہاں پر بھی نمونے کے طور پر چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

"کنزل العمال جلد 6 ص 60' 62' 198' 200 پر اس مضمون کی بہت سی احادیث متعدد طرق سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے صرف دو احادیث یہاں پر نقل کرے ہیں:

نمبر1 -

"یکون بعدی من الخلفاء عدۃ نقباء بنی اسرائیل"

یعنی میرے بعد خلفاء بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کے برابر ہوں گے۔

اور قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ لکھی ہے۔

نمبر2 - ایک اور حدیث میں واضح طور پر فرمایا:

"یکون لھذہ الامۃ اثنا عشر خلیفۃ"

"یعنی اس امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے"

اہل سنت کے معروف امام حضرت امام احمد حنبل نے بھی پیغمبر کی یہ حدیث جابر بن سمرہ سے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے جو اس طرح ہے:

نمبر3 -

"عن جابر بن سمرہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون لھذہ الامتہ اثنا عشر خلیفہ"

مسند امام احمد حنبل جزء 5 ص 106

جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا کہ اس امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے

اہل سنت کے ایک اور معروف عالم شیخ سلیمان قندوزی بلخی حنفی نے بھی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں اس مضمون کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ہم ان میں سے بھی نمونہ کے طور پر دو احادیث ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نمبر4 -

"سلیم بن قیس ہلالی' سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا امام حسین علیہ السلام آپ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت آپ کی دونوں آنکھوں کو اور آپ کے منہ پر بوسہ دے رہے تھے اور فرماتے تھے' "تو سردار ہے' تو سردار کا فرزند ہے' تو امام ہے' امام کا فرزند ہے' تو حجت ہے' حجت کا بیٹا ہے تو نو حج کا باپ ہے ان میں کا نواں قائم (عجل اللہ فرجہ) ہو گا۔

اردو ترجمہ ینابیع المودۃ ص 416 حدیث 5

نمبر5 - اور دوسری حدیث عبایہ سے اس طرح روایت کی ہے:

"عبایہ بن ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں انبیاء کا سردار ہوں اور علی اوصیاء کے سردار ہیں میرے بعد اوصیاء بارہ ہوں

گے ان میں پہلا علی ہو گا اور آخری قائم مھدی (عجل اللہ فرجہ) ہو گا۔

اردو ترجمہ ینابیع المودۃ ص 416 حدیث - 7

پیغمبرؐ کی یہ حدیث کہ میرے بعد بارہ خلیفہ یا بارہ امام ہوں گے اتنی معروف، اتنی مشہور، اتنی متواتر اور اتنی صحیح و مستند ہے کہ مولانا شبلی نعمانی جیسے محقق و نقاد نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد سوم میں جس میں انہوں نے پیغمبر کی طرف منسوب اکثر احادیث و روایات پر جرح کی ہے اور ہر وہ حدیث جس پر انگلی رکھنے کی انہیں ذرا سی بھی گنجائش ملی ہے تنقید و جرح اور ردو قدح کی ہے اس حدیث کو انہوں نے بھی صحیح قرار دے کر پیغمبر کی پیشین گوئیوں میں تحریر فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد 3 میں ایک باب ہی پیغمبر کی پیشین گوئیوں سے متعلق تحریر کیا ہے اس باب میں "بارہ خلفاء کی پیشین گوئی" کے عنوان کے تحت صحیح مسلم اور ابی داوٗد سے مختلف احادیث لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ:

"ابن حجر ابو داوٗد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور نبی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر امت کا اجماع رہا یعنی:

نمبر1 - حضرت ابوبکرؓ
نمبر2 - حضرت عمرؓ
نمبر3 - حضرت عثمانؓ
نمبر4 - حضرت علیؓ
نمبر5 - امیر معاویہ
نمبر6 - یزید
نمبر7 - عبدالملک
نمبر8 - ولید
نمبر9 - سلیمان
نمبر10 - عمر بن عبدالعزیز
نمبر11 - یزید ثانی
نمبر12 - ہشام

اس کے بعد مولانا شبلی نعمانی طنز کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

"شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دے گا
"

سیرۃ النبی شبلی جلد 3 ص 604 - 605

مولانا شبلی نے یہ بالکل بجا اور صحیح فرمایا ہے کہ یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی لیکن پیشین گوئی تو پیشین گوئی ہی ہوتی ہے اور یہ جب ہی سچی کہلا سکتی تھی کہ جب خلفاء تعداد میں صرف بارہ ہی ہوتے' نہ آٹھ ہوتے' نہ دس ہوتے' نہ بیس ہوتے' نہ پچاس ہوتے۔ نہ ایک کم ہوتا' نہ ایک زیادہ ہوتا' نہ چار ہوتے' نہ سو ہوتے' کیونکہ اگر بارہ سے ایک کم رہ جائے تب بھی یہی کہا جائے گا کہ پیغمبر کی یہ پیشین گوئی سچی ثابت نہیں ہوئی اور اگر بارہ سے ایک زیادہ ہو جائے تب بھی یہی کہا جائے گا کہ پیغمبر کی یہ پیشین گوئی جھوٹی ہو گئی کجا یہ کہ سینکڑوں خلفاء ہو گئے۔

اور اگر کسی مدعی نبوت کی کوئی پیشین گوئی سچی ثابت نہ ہو تو ہر کوئی جانتا ہے کہ دنیا کے ارباب عقل و فہم اسے کیا سمجھتے ہیں۔ حق کی طرف سے آنکھیں بند کرنے کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو گی کہ اس کو پیغمبر کی ایک پیشین گوئی بھی قرار دے رہے ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا میرے بعد میرے بارہ جانشین ہوں گے لیکن پیغمبر کے حقیقی جانشینوں کو چھوڑ کر جو حقیقتاً پیغمبر کی پیشین گوئی کے مطابق بارہ ہی ہوئے سینکڑوں بادشاہوں میں سے اپنی مرضی سے ایسے بارہ کو مان لیا جن میں یزید جیسا فاسق و فاجر بھی شامل ہے اور جن بادشاہوں کو چھوڑ دیا ہے ان کے چھوڑنے کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے حالانکہ وہ سب کے سب خود کو خلیفہ بھی کہلاتے تھے اور ان کی حکومت میں رہنے والے مسلمان سب کے سب انہیں خلیفہ ہی کہتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں تھا سوائے علی کے' حالانکہ پیغمبر کی اس حدیث میں جو اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے صاف بیان ہوا ہے کہ وہ بارہ کے بارہ پاک اور معصوم ہیں اور وہ اس طرح ہے:

> "اصبغ بن نباتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا' "میں خود' علیؑ' حسنؑ' حسینؑ' اور حسینؑ کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں"

اردو ترجمہ۔ینابیع المودہ ص 416 حدیث 6

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان بارہ کے ساتھ خود کو بھی شامل کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جیسا میں پاک و پاکیزہ، طاہر و مطہر، اور معصوم ہوں ایسے ہی وہ بارہ کے بارہ پاک و پاکیزہ، طاہر و مطہر اور معصوم ہیں اور آیہ تطہیر پیغمبر کی اس حدیث کی تصدیق کرنے کے لئے کافی ہے جو بالاتفاق اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ان کی عصمت و طہارت کی گواہ ہے اور ان بارہ پاک اور معصوم اماموں کے نام حسب ذیل ہیں:

نمبر1- حضرت امام علی علیہ السلام	نمبر2- حضرت امام حسن علیہ السلام
نمبر3- حضرت امام حسین علیہ السلام	نمبر4- حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
نمبر5- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام	نمبر6- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
نمبر7- حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	نمبر8- حضرت امام علی رضا علیہ السلام
نمبر9- حضرت امام محمد تقی علیہ السلام	نمبر10- حضرت امام علی نقی علیہ السلام
نمبر11- حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام	نمبر12- حضرت امام مہدی ہادی آخر الزمانؑ

طاغوتی حکومتوں کے طرفدار کہتے ہیں کہ ان بارہ میں سے تو ایک دو کے سوا کسی کو اقتدار نہیں ملا لیکن ان بارہ میں سے ایک یا دو کو اقتدار ملنے کی نسبت کہیں زیادہ ہے اس نسبت سے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے چار یا پانچ انبیاء کو حاصل ہے کیونکہ بالاتفاق تمام انبیاء میں سے تقریباً چار یا پانچ انبیاء کے سوا اور کسی کو اقتدار نہیں ملا بلکہ سب کے سب مقہور و مغلوب ہی رہے کوئی آرے سے چیرا گیا، اور کسی کا سر طشت میں رکھ کر قلم کیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ جس طرح زیادتیاں کی گئیں اس پر قرآن گواہ ہے اور اگر خداوند تعالیٰ انہیں اوپر نہ اٹھا لیتا تو جس شخص کو انہوں نے عیسیٰؑ سمجھ کر سولی پر چڑھایا تھا اس کی بجائے اصل عیسیٰؑ کو تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا لیکن خدا کہتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کے اصل سربراہ یہی تھے اور میں نے ان میں سے ہر ایک کی اطاعت کو لوگوں پر واجب کیا تھا۔ (النساء - 64)- اور ان سب کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا تھا۔ (النساء - 80)

لہٰذا حکومت الٰہیہ کے مقابلہ میں جو بھی برسراقتدار آیا وہ طاغوتی حکومت کا سربراہ تھا لیکن اولاد آدمؑ کی اکثریت نے ہمیشہ طاغوتی حکومتوں کے سربراہوں کے آگے ہی سر تسلیم خم کیا ہے اور انہوں نے ہمیشہ ہی حکومت الٰہیہ کے سربراہوں سے کنارہ کشی کی ہے سوائے ان چند لوگوں کے جو **"الا عبادک منھم المخلصین"** (الجز-40) اور **"الا فریقا" من المومنین"** (السباء - 20) کے مصداق تھے۔

پس اس زمانہ میں حکومت الٰہیہ کے سربراہ بارہویں امامؑ حضرت امام مہدی ھادی آخر الزمان علیہ السلام ہیں جو حضرت ادریسؑ، حضرت خضرؑ، حضرت الیاسؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح زندہ ہیں اور خدا کے حکم سے غائب ہیں آپ نے اپنی غیبت سے پہلے جو فرمان نافذ کیا تھا حکومت الٰہیہ پر ایمان رکھنے والوں اور حکومت الٰہیہ کی اطاعت کرنے والوں کے لئے اس پر عمل پیراء ہونا لازمی اور ضروری ہے اور امام زمانہؑ کے اس فرمان کے مطابق دنیاوی حکومتوں کے اندر رہتے ہوئے۔ حکومت الٰہیہ کی جو صورت ہو سکتی ہے اس کو ہم نے اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں بیان کر دیا ہے۔

مولانا شبلی کے بیان کردہ بارہ خلفاء میں حضرت علیؑ کی حیثیت

ان بارہ خلفاء میں جنہیں ابن حجر اور مولانا شبلی نے بیان کیا ہے حضرت علیؑ کی حیثیت وہی ہے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے ان چار یا پانچ انبیاء کی حیثیت تھی جنہیں دوسرے دنیاوی حکمرانوں کے درمیانی وقفہ میں اقتدار مل گیا تھا یعنی دراصل وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہی تمام کے تمام حکومت الٰہیہ کے حقیقی سربراہ اور خدا پر ایمان لانے والوں کے سچے فرمانروا تھے لیکن ان میں سے صرف چار یا پانچ انبیاء کو ہی غلبہ و اقتدار حاصل ہوا تھا اور باقی انبیاء کے دور میں دوسرے دنیاوی حکمران ہی فرمانروائی کرتے تھے اور ظاہری غلبہ و اقتدار دوسرے دنیاوی حکمرانوں کے ہی پاس رہا۔

اسی طرح پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کی بیان کردہ مذکورہ بارہ کی بارہ پاک و معصوم ہستیاں ہی امام و ہادی اور حکومت الہیہ کی حقیقی سربراہ تھیں۔ لیکن ان بارہ پاک اور معصوم ہستیوں میں سے صرف حضرت علیؑ کے پاس ہی کچھ تھوڑے سے عرصہ کے لئے اقتدار ہاتھ آیا تھا مگر اس تھوڑے سے عرصہ میں بھی طاغوتی قوتوں نے صحیح طور پر کام کرنے کی مہلت نہیں دی اور یہ سارا عرصہ جنگ کرتے ہی گزر گیا یہاں تک کہ آپ نے شہادت پائی۔ اور امام حسنؑ کو تو ابن حجر اور مولانا شبلی نے شمار ہی نہیں کیا حالانکہ حضرت علیؑ کے بعد اور معاویہ سے پہلے تقریباً چھ مہینے حضرت امام حسنؑ بھی برسر اقتدار رہے ہیں۔

اور ابن حجر اور مولانا شبلی نے امت کے اجماع کی جو بات کی ہے وہ قطعی طور پر غلط ہے جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ پس جس طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے تقریباً چار یا پانچ انبیاء ہی برسر اقتدار رہے اور باقی انبیاء اقتدار نہ ہونے کے باوجود حکومت الہیہ کے سربراہ کی حیثیت سے خاموشی کے ساتھ تبلیغ رسالتؐ اور کار ہدایت انجام دیتے رہے اور ان کو ماننے والے ان کی اطاعت و پیروی کرتے رہے اسی طرح حضرت علیؑ کے علاوہ باقی آئمہ معصومین بھی اقتدار نہ ہونے کے باوجود حکومت الہیہ کے سربراہ اور پیغمبر کے حقیقی جانشین ہونے کی حیثیت سے خاموشی کے ساتھ پیغمبر کا فریضہ رسالتؐ اور کار ہدایت انجام دیتے رہے اور ان کو ماننے والے ان کی اطاعت و پیروی کرتے رہے۔

بلکہ خود حضرت علیؑ نے بھی اس زمانہ میں جب پیغمبر کے بعد غلبہ و اقتدار دوسروں کے پاس تھا اسی طرح خاموشی کے ساتھ پیغمبر کا فریضہ رسالت اور کار ہدایت انجام دیا تھا جس طرح خود پیغمبر نے مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں غلبہ و اقتدار نہ ہونے کے باوجود حکومت الہیہ کے سربراہ و فرمانروا کی حیثیت سے فریضہ رسالت اور کار ہدایت انجام دیا تھا اور ان کے ماننے والے ان کی اطاعت و پیروی کرتے تھے۔

پس پیغمبر کے بعد یہی بارہ امام حکومت الہیہ کے حقیقی سربراہ تھے یہی پاک و معصوم تھے، یہی پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے پیغمبر کا فریضہ رسالت اور کار ہدایت

انجام دینے والے تھے یہ سب کے سب نیک تھے' یہ سب کے سب صالح تھے' یہ سب کے سب راشد تھے اور یہ سب کے سب ہدایت یافتہ یعنی مھدیئین تھے اور پیغمبر نے اپنے بعد اپنے انہیں جانشینوں کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا تھا جیسا کہ امام احمد حنبل نے اپنی کتاب مسند میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ"

مسند امام احمد حنبل ج 4 ص 126

"یعنی تم پر میری سنت اور میرے بعد آنے والے میرے تمام کے تمام خلفاء کی سنت کی پیروی واجب ہے۔ جو سب کے سب راشدین اور مھدیئین ہوں گے تم اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا"

خلفائے راشدین کی پیروی واجب ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مذکورہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے بعد آنے والے پیغمبر کے تمام کے تمام جانشین اور سب کے سب خلفاء جو تعداد میں صرف بارہ ہوں گے نیک اور صالح اور راشدین و مھدیئین ہوں گے اور ان کی سیرت پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کے عین مطابق ہو گی اور اسی بناء پر ان کی اطاعت و پیروی عین پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت و پیروی سمجھی جائے گی جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث سے' جو اردو ترجمہ ینابیع المودت کے صفحہ 417 سے' اور ایک دوسری حدیث سے' جو اردو ترجمہ ینابیع المودت کے اسی مذکورہ صفحہ سے نقل کی جا چکی ہے ثابت ہے اور حضرت علیؑ خلفائے راشدین کے دونوں سلسلوں میں شامل ہیں یعنی جنہوں نے صرف چار کو خلفائے راشدین کہا علیؑ اس سلسلہ میں بھی شامل ہیں اور جنہوں نے بارہ کے بارہ اماموں کو پیغمبر کے خلفائے راشدین سمجھا ہے علیؑ اس سلسلہ میں بھی

شامل ہیں پس حضرت علیؑ کی پیروی میں تو کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

لیکن حضرت علیؑ نے برملا طور پر سیرت شیخین کی پیروی سے انکار کر دیا تھا اور یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ جس سے کسی صاحب علم کے لئے مجال انکار نہیں ہو سکتی اور جو تاریخ کی اور سیرت کی اکثر مستند اور معتبر کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے ملاحظہ ہو:

شرح ابن ابی الحدید ج 1 ص 63

تاریخ ابن خلدون بقیۃ الجزاء الثانی مطبوعہ 1284 ص 126

شمس التواریخ ص 1214

تاریخ طبری، الجزء الخامس ص 37

تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء چہارم ص 27-28

تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص 160-166

تاریخ الکامل الجزء الثالث ص 27

مطابق نقل البلاغ المبیں جلد دوم طبع دوم ص 203

وغیرہ وغیرہ

حضرت علیؑ کو سیرۃ شیخین کی پیروی کی شرط پر اقتدار سپرد کیا جا رہا تھا مگر حضرت علیؑ نے اقتدار کو ٹھکرا دیا اور تخت حکومت کو ٹھوکر مار دی لیکن سیرۃ شیخین کی پیروی کو قبول نہیں کیا۔ حالانکہ پیغمبر اکرمؐ کی مذکورہ حدیث کی رو سے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی واجب ہے اور جب علیؑ نے حکومت ملنے کے وعدے اور امید پر بھی سیرۃ شیخین کی پیروی کو قبول نہیں کیا تو ناممکن ہے یہ بات کہ انہوں نے حکومت نہ ملنے کی صورت میں کبھی بھی سیرت شیخین کی پیروی کی ہو گی۔

اور چونکہ حضرت علیؑ ہر صورت میں خلفائے راشدین میں شامل ہیں چاہے وہ ابن حجر اور مولانا شبلی والے بارہ خلفاء میں سے ہوں یا پیغمبر کے بیان کردہ بارہ خلفاء میں سے ہوں لہذا حضرت علیؑ کی سنت کی پیروی ہر صورت میں واجب ہے اور اس میں سیرۃ شیخین کی پیروی سے انکار کی سنت بھی شامل ہے اور اس سے یہ بات واضح

طور پر ثابت ہوئی ہے کہ حضرت علیؑ کے نزدیک حضرات شیخین ان خلفائے راشدین میں سے نہیں تھے جن کی پیروی کو پیغمبر نے مسلمانوں کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ انہیں خلفائے راشدین میں سے سمجھتے تو ہرگز ان کی سیرت کی پیروی سے انکار نہ کرتے۔

دراصل بعد میں آنے والے اسلامی مفکرین اور مسلم دانشوروں نے جب اس سلسلہ خلافت پر نظر ڈالی جس میں یزید جیسے فاسق و فاجر حاکم خلافت کے نام سے حکمرانی کرتے ہوئے نظر آئے تو ان کے سر شرم سے جھک گئے اور انہوں نے بعد میں پیغمبر کی حدیث میں موجود الفاظ راشدین و مھدیئین کو نبھانے کے لئے پہلے کے چار خلفاء کو راشدین کہنا شروع کر دیا تا کہ ان کا کچھ بھرم رہ جائے لیکن انہوں نے اس طرح سے اس بات کی تصدیق کر دی کہ باقی کے خلفاء راشدین اور مھدیئین نہیں تھے مگر حضرت علیؑ نے سیرۃ شیخین کی پیروی سے انکار کر کے ان اسلامی مفکرین کی کوششوں کو رائیگاں کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ پیغمبر نے اپنے جن خلفاء کو راشدین اور مھدیئین کہا ہے وہ اور ہیں اور وہ سب کے سب یعنی بارہ کے بارہ راشدین اور مھدیئین ہیں ان میں سے کوئی بھی غیر راشد یا فاسق و فاجر نہیں ہے اور وہ سب کے سب ایسے ہیں جن کی پیروی کی جا سکے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر کسی کی سیرت پیروی کے قابل ہو تو اس سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی پیروی میں ہدایت ہوتی ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم کو حکم دیا تھا کہ:

"اولئک الذین ھدی اللہ فبھدھم اقتدہ"

الانعام - 90

"یعنی اے پیغمبر یہ سارے کے سارے رسول جنہیں ہم نے بھیجا تھا وہی تھے جن کو اللہ نے راستہ دکھایا تھا پس اے رسول تم بھی انہیں کی پیروی کرو"

ابن حجر اور مولانا شبلی کا غلط استدلال

مولانا شبلی نے ابن حجر کے حوالے سے جن بارہ خلفاء کی فہرست دی ہے اور یہ کہا ہے کہ ابن حجر ان بارہ کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر امت کا اجماع رہا' قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ جتنا مذکورہ خلفاء پر امت کا اجماع رہا اتنا تو اور بھی بہت سے خلفاء پر امت کا اجماع رہا ہے لیکن حضرت علیؑ پر ہرگز ہرگز تمام امت کا اجماع نہیں ہوا۔

جنگ جمل' جنگ صفین اور جنگ نہروان میں جنگ لڑنے والوں نے ان کو خلیفہ مان کر ان سے جنگ نہیں لڑی تھی معاویہ جو صوبہ شام کا گورنر تھا حضرت علیؑ کو خلیفہ مان کر جنگ نہیں لڑ رہا تھا اور شام کا صوبہ اتنا بڑا تھا کہ جس میں آج کے زمانہ کے پانچ ملک شامل تھے یعنی:

نمبر 1 لبنان' نمبر 2 اسرائیل' نمبر 3 فلسطین' نمبر 4 اردن اور نمبر 5 موجودہ شام اور حکمین کے موقع پر حکمین یعنی ابو موسیٰ اشعری اور عمر ابن عاص نے حضرت علیؑ کو خلافت سے ہٹا ہی دیا تھا۔ خوارج نہروان برملا حضرت علیؑ کو کافر کہتے تھے اور بنی امیہ تقریباً 80 سال تک حضرت علیؑ پر تبراء کرتے رہے جمعہ کے خطبوں میں برملا ان پر سب کرتے رہے اور کھلم کھلا گالیاں دیتے رہے یہ سب کچھ حضرت علیؑ کو خلیفہ مان کر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حقیقتاً انہوں نے حضرت علیؑ کے اقتدار ظاہری اور حکومت کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا لہٰذا حضرت علیؑ کو اس فہرست میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے جن پر تمام امت کا اجماع رہا۔

آخر حضرت امام حسن علیہ السلام بھی تو کم از کم چھ مہینے تک خلیفہ رہے اور برسراقتدار رہے لیکن ابن حجر نے بھی اور مولانا شبلی نے بھی ان کو اسی وجہ سے ان بارہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا حالانکہ صرف معاویہ ان کے ساتھ برسر جنگ رہا اور اس نے امام حسنؑ کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا پس جس بناء پر امام حسنؑ کو ان بارہ کی

فہرست میں شامل نہیں کیا اسی بناء پر حضرت علیؑ کو بھی ان بارہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا جنہیں ابن حجر نے اور مولانا شبلی نے گنوایا ہے۔

پیغمبر کے بعد برسراقتدار آنے والے دنیاوی حکمران

پیغمبر کے بعد برسراقتدار آنے والے دنیاوی حکمران بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے زمانہ میں برسراقتدار رہنے والے دنیاوی حکمرانوں کی طرح تاریخ کا ایک حصہ ہیں ان میں پیغمبر کے عین بعد سے لے کر 1924ء تک، یعنی سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے آخری فرمانروا سلطان عبدالمجید ترکی کی حکومت تک سب کے سب دنیاوی حکمران یا بادشاہ خلیفہ ہی کے لقب کے ساتھ حکومت کرتے تھے لیکن سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے آخری فرمانروا سلطان عبدالمجید کے بعد مسلمان حکمرانوں نے خلیفہ یا خلافت کا نام اور لقب ترک کر دیا اور وہ بادشاہ یا فوجی ڈکٹیٹر یا جمہوری صدر کی حیثیت سے اسلامی ممالک میں حکومت کرنے لگے چنانچہ یہ سب حکومتیں بھی تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور ان میں سے کسی بھی حکمران کے حاکم ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان میں سے کسی کا بھی پیغمبر کی جانشینی سے کوئی تعلق نہیں تھا لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی پیغمبر کی اس پیشین گوئی کا مصداق قرار نہیں دیا جا سکتا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین ہوں گے سوائے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے جنہیں ظاہری اقتدار بھی کچھ عرصہ کے لئے ملا تھا اور وہ پیغمبر کے بیان کردہ بارہ جانشینوں، خلفاء اور اماموں میں بھی شامل ہیں۔

پیغمبر کی بعض اور پیشین گوئیاں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اپنے بعد اپنے بارہ جانشینوں، بارہ خلفاء اور بارہ اماموں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی وہاں پیغمبر اکرمؐ کی اور بھی

بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جن میں پیغمبر اکرمؐ نے اپنی رحلت کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں بھی پیشین گوئیاں کی ہیں اور ان میں سے بے شمار پیشین گوئیاں اپنی رحلت کے بعد پیدا ہونے والے فتنوں کے بارے میں ہیں ان میں سے چند احادیث بطور نمونہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

فتنوں کے بارے میں پیشین گوئیاں

پیغمبر اکرم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے فورا بعد فتنے کا آغاز ہو جائے گا چنانچہ ابو ہریرہؓ پیغمبر اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں:

"عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ستکون فتن القاعد فیه خیر من القائم و القائم خیر من الماشی' والماشی فیها خیر من الساعی من تشرف لها تستشرفه فمن وجد فیها ملجاء او معاذا فلیعذبه"

صحیح بخاری کتاب الفتن

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد فوراً ہی فتنے پیدا ہو جائیں گے جن میں بیٹھا ہوا شخص بہتر ہو گا کھڑے ہوئے سے اور کھڑا ہوا بہتر ہو گا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہو گا بھاگنے والے سے' جو ان فتنوں کی طرف جھانکے گا وہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے پس جو شخص پناہ کا مقام یا بچاؤ کی جگہ پائے تو اسے چاہیے کہ اس کی پناہ میں آ جائے"

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"عن اسامه بن یزید رضی الله عنهما قال اشرف النبی صلی الله علیه وسلم علی اطم من اطام المدینه فقال هل ترون ما اری قالوا لا قال

فانی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع القطر"

صحیح بخاری کتاب الفتن

"اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ کے ایک قلعہ سے جھانکا تو فرمایا کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں لوگوں نے کہا نہیں' آپؐ نے فرمایا کہ یقینی طور پر میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں کے اندر فتنے اس طرح داخل ہو رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے"

اس قسم کی بے شمار احادیث صحیح بخاری میں اور صحیح مسلم میں ایک مستقل باب کے تحت "کتاب الفتن" میں جمع کی گئی ہیں ان کے علاوہ سنن ابی داؤد' سنن ترمذی' مسند امام احمد حنبل اور مسند ابی داؤد طیالسی میں پیغمبر کی ان پیشین گوئیوں کو جو فتنوں کے بارے میں ہیں روایت کیا گیا ہے یہاں تک کہ متقی نے کنزالعمال میں ان فتنوں کی تصویر نہایت تفصیل کے ساتھ کھینچی ہے اور کنزالعمال الجزء السادس کتاب الفتن صفحہ 27 تا 92 میں حدیث 441 سے 1390 تک آنحضرتؐ کی نو سو پچاس احادیث ان فتنوں کے متعلق جو پیغمبر کی رحلت کے بعد ظاہر ہوں گے اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں ان میں سے چند احادیث بطور نمونہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

اپنے بعد قائم ہونے والی حکومت کے بارے میں پیشین گوئی

نمبر 1 - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فوراً بعد قائم ہونے والی حکومت کے بارے میں فرمایا:

"ان بعدی ائمۃ اطمعتموھم اکفرو کم وان عصیتمو ھم قتلو کم ائمۃ الکفر و رئوس الضلالۃ"

کنزالعمال کتاب الفتن حدیث 477

"یعنی میرے بعد اس امت میں ایسے حاکم ہوں گے جن کی اگر تم پیروی

کرو گے تو وہ تم کو کفر کی طرف لے جائیں گے اور اگر ان کی اطاعت سے انکار کرو گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے وہ کفر کے سردار اور گمراہی کے رئیس ہوں گے"

مولانا مودودی نے بھی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں نسائی اور کنزل العمال کے حوالہ سے دو روایات نقل کی ہیں جو اس طرح ہیں:

"انہ ستکون بعدی امراء من صدقھم بکذبھم و اعانھم علی ظلمھم فلیس منی و لست منہ"

خلافت و ملوکیت ص 79 (بحوالہ نسائی کتاب البیعہ باب 34-35)

"یعنی میرے بعد کچھ لوگ حکمران ہوں گے جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں"

ایک دوسری روایت میں یہ ہے:

نمبر 3 -

"سیکون علیکم ائمۃ یملکون ارزاقکم یحدثونکم فیکذبونکم و یعملون فیسیئون العمل لا یرضون منکم حتی تحسنوا قبیحھم و تصدقوا کذبھم"

خلافت و ملوکیت ص 79 - 80 (بحوالہ کنزالعمال ج 4 حدیث 297)

"عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہوں گے جن کے ہاتھ میں تمہاری روزی ہو گی وہ تم سے بات کریں گے تو جھوٹ بولیں گے اور کام کریں گے تو برے کام کریں گے وہ تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی برائیوں کی تعریف اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد اقتدار پر قبضہ کرنے والوں سے اپنی بیماری کے آخری ایام میں خود ان کو مخاطب کر کے جو بیان دیا وہ پیغمبر اکرمؐ کی ایسی

پیشین گوئی ہے جو آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی پوری ہو گئی۔

اہل سنت کے معروف عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں پیغمبر اکرمؐ کے اس خطبہ کو اس طرح سے نقل کیا ہے:

"پھر آپؐ نے سورۃ والعصر آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کے آخر میں یہ آیت پڑھی:

"فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا فى الارض و تقطعوا ارحامكم"

مدارج النبوۃ اردو ص 632

مذکورہ خطبہ لکھنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں:

"آیہ کریمہ سے اشارہ ان زیادتیوں اور جفا و ستم کی طرف ہے جو مروانی اور عباسی امراء اور سلاطین نے اہل بیتؑ کے ساتھ روا رکھیں۔

مدارج النبوۃ اردو ص 632

حالانکہ پیغمبر کے مرض موت کے وقت کے اس خطبہ میں واضح خطاب انہیں اصحاب سے ہے جن سے پیغمبر اس وقت خطاب فرما رہے تھے جس میں سب حاضر کی ضمیریں ہیں اور عباسی امراء میں سے تو کوئی اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا مولانا مودودی نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"پھر تم سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم فرمانروا ہو گئے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور قطع رحمی کرو گے"

خلافت و ملوکیت ص 183

پیغمبر اکرمؐ نے اس خطبہ میں سورۃ والعصر کی تلاوت فرمائی جو انسان کے خسارے کا اعلان کر رہی ہے اور پھر اپنے اصحاب کو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ سورۃ محمد میں ان کے بارے میں جو پیشین گوئی نازل ہو چکی تھی اسی کی تلاوت پر اکتفا کیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ نے خود اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی تاکہ

وہ بعد میں یہ نہ کہیں کہ پیغمبر نے یہ بات ایک عام انسان کی حیثیت سے کہی تھی۔

لوگوں کے دین سے خارج ہونے کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد لوگوں کے دین سے خارج ہونے کے بارے میں اس طرح فرمایا:

"ان الناس دخلوا فی دین اللہ افواجا سیخرجون منہ افواجا"

کنزل العمال کتاب الفتن حدیث 502- 738

"بے شک لوگ دین میں گروہ در گروہ اور فوج در فوج داخل ہوئے تھے وہ عنقریب بہت جلد اسی طرح گروہ در گروہ اور فوج در فوج دین سے خارج ہو جائیں گے"

دین کو دنیا کے عوض بیچنے کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرمؐ نے یہ پیشین گوئی بھی کر دی تھی کہ تم لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل شے کے بدلے میں فروخت کر دو گے۔

"عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب فتنا کقطع الیل المظلم یصبح الرجل مومنا و یمسی کافرا یبیع قوم دینھم بعوض من الدنیا قلیل"

کنزل العمال کتاب الفتن حدیث 508-511-521

مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص - 390

الجزء الاول ص 384 - 448 - 185

الجزء الرابع ص 106 - 107

"حضرت ابو ھریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ عرب برباد ہو گا اس شر سے جو بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ فتنوں کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح سے ہوں گے ایک شخص صبح کو مومن اٹھے گا اور شام تک کافر ہو جائے گا لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل شے کے بدلے میں فروخت کر دیں گے"

یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ یہود و نصاریٰ کی پیروی کرو گے جیسا کہ ابو سعید الخدری سے روایت ہے:

"عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبرا" شبرا" و ذراعا" ذراعا" حتی لو دخلوا حجر ضب تتبعو هم قلنا یا رسول اللہ الیھود و نصاری قال فمن"

صحیح بخاری کتاب الاعتصام
بالکتاب والسنہ الجزء الرابع طبع مصر ص 176

"یعنی ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور ضرور تم چلو گے اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ' یہاں تک کہ اگر وہ سو سمار کے سوراخ میں بھی گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کی چال چلیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہ نہیں تو پھر اور کون' یعنی وہی مراد ہیں"

یہود و نصاریٰ کی بری باتوں کی پیروی کرنے کی پیشین گوئی حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں پائی جاتی ہے جن میں چند حوالے یہ ہیں:

منھاج السنہ ابن تیمیہ الجزء الثالث ص 241
مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص 367

صحیح مسلم کتاب العلم الجزء الثامن ص 57

سنن ابن ماجہ ص 296 - 297

مسند ابی داؤد الطیالسی الجزء السادس ص 191

مشکوۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنہ

مستدرک علی الصحیحین حاکم الجزء الاول کتاب الایمان ص 37

اشعۃ اللمعات عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکواۃ جلد اول ص 142

حوض کوثر سے اصحاب کے ہٹائے جانے کی پیشین گوئی

ایک اور پیشین گوئی جو حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں نقل کی گئی ہے اور خصوصیت کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب کے بارے میں ہے حدیث حوض کے نام سے معروف ہے آپ فرماتے ہیں:

"عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردن الحوض علی رجال حتی اذا رایتھم رفعوا الی فاختلجوا دونی فلا قولن یا رب اصحابی اصحابی فیقال انک لا تدری مااحدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا سحقا"

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص 230 - 253

احیاء العلوم امام غزالی الجزء الاول ص 243

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع کتاب الفتن ص 147

فتح الباری شرح صحیح بخاری الجزء الثامن ص 215

صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الاول صف 150 - 151

مسند ابوداؤد الطیالسی الجزء التاسع ص 294 - 295

"انس سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر چند آدمی میرے پاس وارد ہوں گے جب میں ان کی طرف

دیکھوں گا تو وہ میری طرف بڑھیں گے لیکن روک دیئے جائیں گے میں کہوں گا کہ خداوند تعالٰی یہ
تو میرے اصحاب ہیں جواب ملے گا کہ تم نہیں جانتے تمہارے بعد دین میں انہوں نے کتنا فتنہ
پیدا کیا تھا اس پر میں کہوں گا۔ دور ہو' دور ہو' دور ہو"

اہلبیت اور حضرت علیؑ کے بارے میں پیشین گوئی

پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علی سے فرمایا:

نمبر1۔

"قال ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدونھا لک الا من بعدی"

کنز العمال الجزء السادس ص 418
ریاض النضرہ الجزء الثانی الباب
الرابع فصل ثامن ص - 110

"یعنی اے علیؑ لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں
بھری ہوئی ہیں جن کو وہ اب تو چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کریں
گے"

ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

نمبر2۔

"یا علی ان الامتہ ستغدر بک من بعدی"

کنز العمال الجزء السادس ص - 150
المستدرک علی الصحیحین حاکم الجزء الثالث ص 140 - 142

"یعنی اے علیؑ میرے فوراً بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت
کرے گی"

نمبر3۔ ایک دوسری حدیث میں آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"انکم ستبلون فی اھل بیتی من بعدی"

کنز العمال کتاب الفتین حدیث 515

یعنی عنقریب بہت ہی جلد میرے فورا بعد میرے اہل بیت کے ذریعہ

تمہارا امتحان لیا جائے گا"

اور یہ امتحان یقینی طور پر اس بات میں تھا کہ وہ پیغمبر کے حکم سے اہلبیتؑ پیغمبر کی اطاعت اور پیروی کرتے ہیں یا نہیں؟

نمبر4- اس زمانہ پر آشوب اور فتن کے وقت جب لوگ دنیا طلبی میں حکومت اور اقتدار کے پیچھے پڑے ہوئے ہوں لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا:

"سیکون بعدی فتنہ فاذا کان ذالک فالزموا علی بن ابی طالب فانہ

الفاروق بین الحق والباطل"

کنزل العمال الجزء السادس ص 155 حدیث 2082

"یعنی عنقریب بہت جلد میرے فورا ہی بعد فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا پس جب

ایسا ہو تو تم علی بن ابی طالب کا دامن تھام لینا کیونکہ وہ فاروق حق و باطل ہے

"

پیغمبر اکرم نے ان احادیث میں واضح کر دیا کہ حضرت علیؑ حکومت، الیہ کے سربراہ امت کے فرمانروا اور پیغمبر کے بعد ان کے جانشین ہیں اور مسلمانوں کو حکومت الیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی ہی اطاعت کرنی چاہیئے لیکن آپ کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ لوگ دنیا کی خواہش میں اقتدار پر قبضہ کریں گے لہٰذا رسول صادق نے اس کے بارے میں بھی ٹھیک ٹھیک پیشین گوئیاں فرمائی تھیں۔

انصار کے بارے میں پیشین گوئی

اہل سنت کے معروف عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ

میں تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی بیماری کے ایام میں انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے انصار میرے بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائے گا اور تم پر ترجیح دی جائے گی انصار نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ارشاد فرمایئے کہ اس صورت میں ہم کیا کریں آپ نے فرمایا صبر کرو اس وقت تک جب کہ حوض کوثر کے کنارے تم مجھ سے آملو"

مدارج النبوۃ اردو ص 632

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اہل سنت کی صحیح ترین کتاب صحیح بخاری میں اس طرح سے روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا:

"انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی و موعدکم علی الحوض"

صحیح بخاری باب مناقب الانصار

اصبروا حتی تلقونی علی الحوض الجزء الثانی ص 206

"یعنی اے انصار عنقریب بہت جلد میرے فوراً ہی بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائے گا اور تم پر ترجیح دی جائے گی پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے ملاقات کرو اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے"

پیغمبر کی یہ حدیث پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ انصار پر جن لوگوں کو اختیار کیا گیا انہیں انصار پر کوئی ترجیح حاصل نہیں تھی یہ ان پر ایک طرح کا ظلم تھا لہٰذا پیغمبر اکرمؐ نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی۔

اور یہ جماعت جسے انصار پر اختیار کیا گیا اور اسے انصار پر ترجیح دی گئی حتماً و یقیناً وہی جماعت تھی جو پیغمبر کی رحلت کے فوراً بعد اقتدار پر قبضہ کرنے کی کارروائی میں مصروف ہو گئی اور ابن قتیبہ دینوری کی کتاب "الامامت والسیاست" صفحہ 6 تا 14 کے مطابق سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے ساتھ ہاتھا پائی اور مار کٹائی کر کے برسر اقتدار آ گئی۔

اسلامی جماعت کے تین گروہ

مولانا شبلی اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے وقت جماعت اسلامی کے تین گروہ تھے ان کی اصل عبادت اس طرح ہے:

"اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی بنو ہاشم جس میں حضرت علیؑ شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس وافسر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا"

الفاروق شبلی حصہ اول صفحہ 114

دوسرا مدنی ریڈیشن 1970ء

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی ان تینوں گروہوں کے لئے علیحدہ علیحدہ پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اور ان تینوں گروہوں کے بارے میں پیغمبر کی یہ پیشین گوئیاں ان تینوں گروہوں کی حیثیت کا تعین کرتی ہیں۔

پہلے گروہ میں حضرت علیؑ سے فرمایا کہ:

"تیری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کینے اور عداوتیں بھری ہوئی ہیں جن کو وہ اب تک چھپاتے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے"

ایک دوسری حدیث میں حضرت علیؑ کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"اے علیؑ میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت کرے گی"

اصل عبارت معہ حوالہ سابق میں درج ہوا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ سے صاف ثابت ہے کہ حضرت علیؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جانشین حقیقی تھے جن کو حکومت

کرنے کا حق تھا لیکن امت نے ان کے اس حق سے بغاوت کی اور اُن کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا۔ دوسرے گروہ انصار کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے جو پیشین گوئی کی وہ بھی مدارج النبوۃ اور صحیح بخاری کے حوالے سے سابقہ صفحات میں درج ہو چکی ہے۔

"یعنی اے انصار میرے بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائے گا اور تم پر ترجیح دی جائے گی اور انہیں صبر کی تلقین فرمائی"

پیغمبر کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیاوی اعتبار سے بھی دوسرے لوگوں کو جو انصار کے مقابلہ میں برسراقتدار آئے تھے کوئی ترجیح حاصل نہیں تھی اور انصار کی دلیل برسراقتدار آنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ وزنی تھی اور یقینی طور پر وہ گروہ جسے انصار پر ترجیح دے کر اختیار کیا گیا وہ تیسرا گروہ مہاجرین کا تھا جس کے رئیس و افسر مولانا شبلی کے قول کے مطابق "حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے"

اور تیسرے گروہ کے بارے میں قرآن سے سورۃ محمدؐ کی آیت پڑھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی کہ "تم حکومت پر قبضہ کر کے برسراقتدار آ جاؤ گے اور زمین میں فساد کرو گے"

اور فساد کا لفظ بہت وسیع ہے جس میں فساد عقیدہ اور فساد نظریہ و فکر سبھی شامل ہیں۔ پس مولانا شبلی نے یہ بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ "اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی" لہٰذا پیغمبر نے بھی ان تینوں گروہوں کے بارے میں علیحدہ علیحدہ پیشین گوئی فرما دی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں گروہوں یا تینوں پارٹیوں کا مؤقف کیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر ان کا منشور کیا تھا۔

بنو ہاشم اور حضرت علیؑ کا موقف و منشور

بنو ہاشم اور حضرت علیؑ کا مؤقف و منشور بالکل واضح تھا ان کا کہنا یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو خدا کے حکم سے اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا ہے وہ امام امت اور ہادی خلق ہیں جس کی بحکم خدا و رسول اطاعت فرض اور واجب

ہے اور اس بات کا اعلان پیغمبر اکرمؐ نے دعوت ذوالعشیرہ میں اپنے اعلان رسالتؐ سے لے کر اپنی وفات تک بے شمار مواقع پر مجمع قلیل سے لے کر لاکھوں کے مجمع تک میں کر دیا تھا اور اتنے طریقوں سے ان کی جانشینی اور خلافت و امامت کا اعلان کیا تھا کہ اتنے طریقوں سے کسی بھی نبی اور رسول نے اپنے جانشین اور خلیفہ کا اعلان نہیں کیا تھا۔

دعوت ذوالعشیرہ میں اخی و وصی و خلیفتی کہہ کر اعلان کیا جس پر تمام معتبر تاریخیں گواہ ہیں۔

مجمع اصحاب میں:

"ھو ولی کل مومن و مومنہ من بعدی"

ترمذی

کہہ کر اعلان کیا'

غدیر خم کے مقام پر لاکھوں کے مجمع میں من کنت مولاہ فھذا علی مولا' کہہ کر اعلان کیا تمام معتبر تاریخیں گواہ ہیں۔

حدیث سفینہ کے ذریعہ اعلان کیا' حدیث ثقلین کے ذریعہ اعلان کیا۔ غرضیکہ متعدد طریقوں سے متعدد مواقع پر متعدد احادیث میں علیؑ کی جانشینی و خلافت و ولایت وامامت کا اعلان کیا تھا اور ان کو ہی پیغمبر نے وہ تمام علوم و ولیعت کئے تھے جن کے ذریعہ وہ پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے فریضہ رسالت اور کار ہدایت انجام دیتے لہذا وہ بجاطور پر یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہی حکومت الہیہ کے سربراہ ہیں اور وہی حکومت و اقتدار کے حقدار ہیں اور اسی لئے آپ نے بھرے دربار میں علی الاعلان کہا تھا کہ:

"انا احق بھذا الامر لا ابا یعکم و انتم اولی ببیعتہ لی"

الامامت و السیاست ابن قتیبہ دینوری

الجزء الاول حالات سقیفہ از ص 6 تا 14

"یعنی میں اس امر حکومت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں میں تمہاری ہرگز

بیعت نہیں کروں گا بلکہ تم کو چاہئے کہ میری بیعت کرو"

اور ان کا منشور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم
ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی" کے الفاظ کے ذریعہ بیان ک
منشور تھا۔

شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا مؤقف

اہل سنت کے مشہور و معروف علماء و مورخین و محدثین
میں حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباس کے چند مکالمات درج
عمرؓ کے مؤقف و منشور کا بخوبی علم ہو جاتا ہے ان علماء میں
مکالمے درج کئے ہیں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی ہیں جنہوں
کے حاشیہ پر طبری کے حوالہ سے حضرت عمرؓ اور حضرت عب
مکالمے درج کئے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش
پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں
طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکا
نقل کئے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے
حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا مکالمہ عب
ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے"

حضرت عمر، تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول ا
ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ بن عباس، میں نہیں جانتا

حضرت عمر، لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار
تھی

اعلان رسالتؐ سے
ں کے مجمع تک میں
ی کا اعلان کیا تھا کہ
یفہ کا اعلان نہیں کیا

یا جس پر تمام معتبر

ترمذی

فھذا علی مولا" کہہ کر

یعہ اعلان کیا۔ غرضیکہ
شینی و خلافت و ولایت
بیعت کئے تھے جن کے
ہدایت انجام دیتے لہٰذا
یں اور وہی حکومت و
ی الاعلان کہا تھا کہ:

"

ابن قتیبہ دینوری
یفہ از ص 6 تا 14

میں تمہاری ہرگز

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمرؓ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا"

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس، وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً" اور ظلماً" چھین لی؟

عبداللہ بن عباس، ظلماً" کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن حسداً" تو اس کا کیا تعجب ہے ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمرؓ افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس، ایسی بات نہ کہئے رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس، بہت مناسب"

الفاروق شبلی حصہ اول فٹ نوٹ ص 265 - 266
دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء
تاریخ طبری الجزء الخامس ص 30 تا 32
تاریخ کامل ابن اثیر الجزء الثالث ص 24 - 25

علامہ شبلی نے ان مکالموں کے بارے میں یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ ان مکالموں سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان مکالموں سے درج ذیل امور حضرت عمرؓ کی زبانی ثابت ہوتے ہیں۔

نمبر 1 - حضرت عمرؓ اور ان کی جماعت کا مقصد وحید یہ تھا کہ خاندان نبوت میں حکومت نہیں جانے دیں گے۔

نمبر 2 - حضرت عمرؓ اور ان کی جماعت کی سیاست کا مقصد ان کا مؤقف و منشور یہی تھا۔

نمبر 3 - حضرت عمرؓ اس جماعت کے رئیس و سردار تھے۔

نمبر 4 - ان مکالموں سے خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خاندان رسالتؐ کو یہ پختہ یقین تھا کہ خلافت علیؑ کا حق ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر اشخاص نے حسد اور ظلم کی وجہ سے ان کو محروم کر دیا۔

ان مکالموں سے ایک سوال بھی خاص طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو یا قریش کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر بنی ہاشم میں حکومت و خلافت چلی گئی تو پھر قیامت تک قریش کے کسی خاندان میں منتقل نہ ہو سکے گی۔

اس سوال کا جواب انتہائی واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے بالفاظ واضح یہ بتلا دیا تھا کہ ان کے بعد بارہ خلفاء ہوں گے اور وہ پیغمبر کی عترت اہل بیت میں سے ہوں گے ان کی اطاعت سب پر فرض ہے اور ان کی اطاعت و پیروی میں ہدایت ہے۔ اور یقینی طور پر اگر وہ پیغمبر کے ان حقیقی جانشینوں خلفاء اماموں اور ہادیوں کی اطاعت قبول کر لیتے تو پھر ان کو حکومت نہیں مل سکتی تھی۔

اور حضرت عمرؓ اور ان کی جماعت کا یہ مؤقف و منشور اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ وہ تیسرے نمبر پر بھی اسی خوف سے علیؑ کو خلافت دینے پر آمادہ نہ ہوئے جیسا کہ طٰہ حسین مصری نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں ان کے اس مؤقف کو کھل کر بیان

کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے"

حضرت عثمان ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ ص 141

جو بات طہٰ حسین مصری نے لکھی ہے یہی بات تاریخ طبری الجزء الخامس ص 38 و تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء چہارم ص 28 تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص 166 اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی الجزء الثانی ص 409 میں بھی لکھی ہوئی ہے۔

پس حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس کے ان مکالموں سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کا مقصد و مؤقف و منشور یہ تھا کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور حکومت نہیں جانے دیں گے چاہے کچھ بھی ہو جائے اور اس طرح پہلے مرحلہ میں خود حکومت پر قبضہ کر لیں گے۔

انصار کا مؤقف و منشور

انصار مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خود دعوت دے کر مدینہ لائے تھے انہیں قریش کی طرح خاندان بنی ہاشم سے کوئی کینہ اور عداوت نہیں تھی انہوں نے پیغمبر کی حفاظت اور اسلام کی خدمت میں تن من دھن کی بازی لگائی تھی جنگ احد میں جس میں سب سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے انصار کا حصہ سب سے زیادہ تھا بلکہ احد کے 70 شہداء میں سے تین پیغمبر کے قریبی عزیز بنی ہاشم سے تھے اور باقی کے 67 شہداء انصار کے تھے اور پیغمبر کے بعد جن کی نظریں اقتدار پر جمی ہوئی تھیں "وہ جان ہے تو جہان ہے" کے مصداق اپنی جانیں بچا کر راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ اگر علی کو اقتدار مل جاتا اور علیؑ کے اقتدار کو تسلیم کر لیا جاتا تو انصار ان سے تو انصاف کی توقع رکھتے تھے لیکن دوسروں سے وہ ایسی توقع نہ رکھتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے اس وقت بھی جبکہ ابن قتیبہ دینوری کی کتاب الامامت والسیاست کے مطابق سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے ہاتھا پائی اور مار کٹائی ہو رہی تھی یہ کہا تھا کہ ہم علیؑ کے سوا کسی کی بیعت نہ کریں گے جیسا کہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ کامل میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"قالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیا"

ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثانی ص 124

"تمام انصار یا بعض انصار نے یہ کہا کہ ہم علیؑ کے سوا اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے"

اس سے ثابت ہوا کہ اگر حضرت علیؑ کے اقتدار کو تسلیم کر لیا جاتا تو انصار خوشی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیتے لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک گروہ حکومت اور اقتدار پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے اور وہ ہرگز ہرگز حضرت علیؑ کے پاس حکومت اور اقتدار نہیں رہنے دے گا۔

پس انہوں نے پیغمبر کی رحلت کے بعد یہ سوچا کہ ان مہاجرین کی نسبت تم زیادہ حق رکھتے ہو لہٰذا انہوں نے یہ سازش کی کہ ان لوگوں سے پہلے پہلے جو حضرت علیؑ سے اقتدار چھیننے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اپنے میں سے کسی کو حاکم مان کر حکومت اور اقتدار پر قبضہ کر لیں۔ لہٰذا انصار کا مؤقف و منشور صرف اتنا تھا کہ اگر اصل حقدار کو اقتدار اور حکومت نہیں ملتی تو دوسروں کی نسبت تم اس کے زیادہ مستحق ہو اور ایسا سمجھنے میں وہ حق بجانب تھے جو پیغمبر کی اس پیشین گوئی سے ثابت ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"اے انصار میرے بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائے گا اور تم پر ترجیح دی جائے گی"

بخاری ومدارج النبوت

ایک جدید دنیاوی حکومت کا قیام

مہاجرین کی وہ جماعت جس کے رئیس و افسر بقول شبلی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے پیغمبر کی حکومت کو ایک دنیاوی حکومت سمجھتے تھے اور حکومت کے بارے میں پیغمبر کی باتوں کو ایک عام انسان کی باتوں پر محمول کرتے تھے لہٰذا پیغمبر کی حیات میں بھی پیغمبر کی اکثر باتوں کی مخالفت کیا کرتے تھے جیسا کہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 534

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

پھر اگلے صفحہ پر صحیح بخاری سے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنے، قیدیان بدر اور صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کی مخالفت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اس فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رایوں پر عمل کیا"

الفاروق شبلی حصہ دوم 537

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

مولانا شبلی کی ان باتوں سے صاف طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جن باتوں اور جن کاموں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ان باتوں اور ان کاموں میں پیغمبر کی اکثر مخالفت کیا کرتے تھے۔

پس چونکہ وہ حکومت کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے اور اس کو دوسری دنیاوی باتوں کی طرح ایک بات سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے اس بات کے باوجود کہ پیغمبر نے علیؑ کی خلافت و جانشینی کا اعلان کر دیا تھا اپنی جماعت کو یہ نعرہ دیا کہ وہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جانے دیں گے۔

اور اس بات کا ثبوت کہ ایک نئی دنیاوی حکومت کے قیام کے لئے انقلاب کی قیادت حضرت عمرؓ کر رہے تھے یہ ہے کہ خلافت کے انعقاد کا سارا معاملہ ایک اور صرف ایک حضرت عمرؓ کی رائے کے گرد گھوم رہا تھا اور اس کا آغاز پیغمبر کی رحلت کے عین بعد حضرت عمرؓ نے کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت کے لئے جانا

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 111

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

لہٰذا وہ آنحضرت کے انتقال فرماتے ہی سیدھے ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے اور فرمایا:

"اپنا ہاتھ پھیلاؤ کہ میں تمہاری بیعت کروں"

اس واقعہ کو ابن سعد نے طبقات میں اس طرح لکھا ہے:

"قال لما قبض رسول اللہ صلعم اتی عمر ابا عبیدہ بن الجراح فقال ابسط یدک فلا بایعک فانک امین ھذاہ الامتہ علی لسان رسول اللہ فقال

ابو عبیدہ لعمر مارایت بک فہتہ قبلها منذ اسلمت اتبایعنی و فیکم الصدیق و ثانی النین"

ابن سعد طبقات الکبریٰ ق 1 ج 3 ص 128 - 129

"یعنی رسول خدا کے رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں۔ کیونکہ تم اس امت کے امین ہو' جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے اس کے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا کیا تم میری بیعت کرو گے درانحالیکہ تمہارے درمیان صدیق اور دو میں کا دوسرا ہے"

دنیا کا کوئی بھی غیرجانبدار آدمی حضرت عمرؓ کے اس فعل کی درستی کے لئے دلیل پیش نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اپنی جماعت کے کسی آدمی کے ہاتھ پر فوری طور پر بیعت کر کے اس کی حکومت کا اعلان کر دیا جائے۔

لوگوں کو قتل کی دھمکیاں

حضرت عمرؓ پیغمبر کی رحلت کے فوراً بعد ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت کرنے کے لئے ان کے پاس گئے تھے مگر چونکہ وہ پہلے مرحلہ پر خلیفہ بننے کے لئے تیار نہ ہوئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر کا نام لیا جو وہاں موجود نہیں تھے بلکہ وہ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر محلہ سنح میں اپنے گھر چلے گئے تھے لہٰذا حضرت عمرؓ کو خوف ہوا کہ کہیں لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کر کے ان کے اقتدار کو تسلیم ہی نہ کر لیں پس حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس سے لوٹتے ہی مسجد نبوی میں تلوار نیام سے نکال لی اور کہنے لگے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی میں اسے قتل کر دوں گا۔

مولانا شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں اس طرح لکھا ہے:

"عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبویؐ میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 111

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

مولانا شبلی کی اس عبارت میں واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ''مسجد نبوی میں جا کر یہ اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا'' لیکن انہوں نے یہ اعلان از خود رفتہ ہو کر کیا تھا یا کسی اور مصلحت سے اس کا فیصلہ حالات و واقعات کو مد نظر رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی آمد کا حال

حضرت ابوبکرؓ آتے ہی پیغمبر اکرمؐ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور پھر باہر نکل کر انہوں نے مجمع کے سامنے وہ آیات تلاوت کیں جن میں آنحضرتؐ کی موت کا ذکر تھا تو حضرت عمرؓ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''او انھا فی کتاب اللہ ماشعرت انھا فی کتاب اللہ ثم قال یا ایھا الناس ھذا ابوبکر ذوسبقیتہ فی المسلمین فبایعوہ فبایعوہ''

البدایہ والنھایہ ج 5 ص 242

یعنی کیا یہ آیت قرآن مجید میں ہے مجھے تو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے پھر کہا اے لوگو! یہ ابو بکرؓ ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے تم ان کی بیعت کر لو۔ تم ان کی بیعت کر لو''

یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت بھی خود بخود بلا کسی مشورے اور انتخاب کے کہہ رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے بھی بلا کسی مشورے اور انتخاب کے کہہ رہے تھے۔ بہرحال جو شخص غیرجانبدارانہ طور پر تحقیق کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ شروع سے آخر تک خلافت کے انعقاد کا سارا معاملہ صرف اور صرف ایک حضرت عمرؓ کی رائے کے گرد گھوم رہا ہے۔

سقیفہ کی طرف روانگی

حضرت عمرؓ اسی حال میں تھے کہ ایک شخص نے وہاں آکر انصار کے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کی خبردی تو یہ دونوں ابوعبیدہ بن الجراح کے ساتھ پیغمبر کو بے غسل چھوڑ کر سقیفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مولانا شبلی مسند ابو یعلی کے حوالہ سے اس مخبر کا بیان حضرت عمرؓ کی زبانی اس طرح نقل کرتے ہیں:

"فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفہ بنی ساعدہ فادر کھم ان تحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق"

الفاروق شبلی ص 114

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

"یعنی اس مخبر نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبرلو' ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو"

اس مخبر نے انصار کے اجتماع کو "حدث امر" کہا ہے یعنی ایک حادثہ پیش آگیا ہے اور یہ کہا کہ "فادر کھم ان تحدثوا امرا" یکون فیہ حرب" یعنی وہاں جلدی پہنچو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایسا کام کر بیٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے"

اب انصار نے زیادہ سے زیادہ کیا کرنا تھا سوائے اس کے کہ وہ سعد بن عبادہ انصاری کو جن پر انکا اجماع ہو چکا تھا خلیفہ بنا لیتے تو اس مخبر کے نزدیک یہ کام ایسا تھا جس سے جنگ کا چھڑ جانا یقینی تھا یعنی اسے معلوم تھا کہ یہ جماعت جسے وہ اطلاع دینے آیا ہے ہر صورت حکومت پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر چکی ہے اور اگر کوئی دوسرا برسراقتدار آگیا تو یہ جماعت جنگ کرنے سے بھی باز نہیں آئے گی۔

اس مخبر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا لیتے تو حضرت عمرؓ ضرور جنگ چھیڑ دیتے۔ بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صرف سعد بن

عبادہؓ کے خلیفہ بن جانے پر ہی حضرت عمرؓ جنگ سے گریز نہ کرتے بلکہ اگر کسی طرح حضرت علیؑ بھی برسراقتدار آ جاتے تو بھی حضرت عمرؓ جنگ کے لئے تل جاتے اور یہ بات اہل سنت کے معروف عالم شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق میں ان کی بنی ہاشم کے بارے میں اس عبارت سے ثابت ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"بنو ھاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہؓ میں واقع ہوئیں"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 119

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

مذکورہ دونوں بیانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کی جماعت ہر صورت میں حکومت پر قبضہ کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے اگر حضرت علیؑ پیغمبر کے ارشادات کے مطابق حکومت پر فائز ہو جاتے جنہیں علامہ شبلی نے بنو ھاشم کی سازشیں لکھا ہے تو بھی وہ جنگ کرنے سے نہ ہٹتے"

اور اگر مہاجرین قریش کی ان کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے انصار اپنے میں سے سعد بن عبادہ انصاری کو خلیفہ بنا لیتے تو بھی یہ جماعت لڑائی چھیڑ دیتی جیسا کہ اس مخبر کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ "کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کوئی فیصلہ کر بیٹھیں اور اس سے جنگ کی نوبت آ جائے"

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کو بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ خود حضرت عمرؓ نے یہ بیان کیا تھا کہ:

"اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا فیصلہ کئے بغیر مجلس سے اٹھ آتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہوتا اور بدلنا بھی مشکل' یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جا سکتا" خلافت و ملوکیت ص 84

حضرت عمرؓ کے اس بیان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ سازی کے جملہ امور اصول و دستور قواعدو ضوابط اور قانون سازی کے جملہ اختیارات انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ اس مخبر کی اطلاع کے بعد حضرت عمر کے لئے یہ انتہائی حساس وقت تھا اور حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی انقلاب برپا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ جیسا ہوشیار، زیرک، معاملہ کی تہہ تک بڑی سرعت کے ساتھ پہنچ جانے والا اور بڑی تیزی کے ساتھ فیصلہ کرنے والا دنیا کے معروف سیاستدانوں اور دنیاوی انقلاب برپا کرنے والوں میں شاید ہی کوئی ہوا ہو۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا سعد بن عبادہ پر اجماع ہو چکا تھا اگر ذرا سی بھی دیر اور ہو جاتی تو سعد بن عبادہ کی خلافت کے لئے بیعت کا آغاز ہو جاتا لیکن اس مخبر سے اطلاع پاتے ہی حضرت عمرؓ نے بڑی سرعت کے ساتھ فیصلہ کیا اور اس خیال سے کہ اپنے تمام ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے میں کہیں دیر ہی نہ ہو جائے وہی تینوں حضرات جو اس بات پر متفق تھے کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے اور پیغمبر کی رحلت کے بعد خود حکومت پر قبضہ کر لیں گے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے گوروکفن چھوڑ کر سقیفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور یہ بے گوروکفن چھوڑنے کے الفاظ ہمارے نہیں ہیں بلکہ اکثر اہل سنت کے معروف مورخین نے یہی الفاظ لکھے ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

دوسری طرف حضرت عمرؓ کو اپنی جماعت یعنی مہاجرین قریش کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ ان کے کامل طور پر حضرت عمرؓ کے ہم خیال ہونے پر انہیں پورا پورا یقین تھا لہٰذا انہیں یہیں چھوڑا۔

تیسرے حضرت عمر اوس و خزرج کے قبائلی حسد سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور انہوں نے ایک ہوشیار سیاستدان کی طرح ان کے اس حسد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

چوتھے ان حضرات میں سے کسی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنی کوئی خاص فضیلت

یا صفت بیان نہیں کی سوائے اس کے کہ پیغمبر قریش میں سے تھے اور عرب قریش کے سوا اور کسی کی حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے۔ بہرحال یہ تینوں حضرات یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح بے خطر انصار کے مجمع میں جا کودے۔ جبکہ ان تینوں آدمیوں کے سوا مہاجرین میں سے اور کوئی چوتھا آدمی ان کے ساتھ نہیں تھا جیسا کہ ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ:

"و لم یحضر معہ فی السقیفہ من قریش غیر عمر و ابی عبیدہ"

ریاض النضرہ، الجزء الاول فی خلافتہ ابی بکر ص 165

"یعنی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے سوائے عمرو ابوعبیدہ کے اور کوئی نہیں تھا"

ان حضرات نے حکومت کے حصول کو اتنا ضروری سمجھا کہ پیغمبر کی تجہیز و تکفین کی بھی پرواہ نہیں کی جیسا کہ اہل سنت کے معروف عالم علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں:

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے"

کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند خلافت اور کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) سے سر زد ہو جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری

تعلق کا پورا پورا اثر ہوا۔ اور اسی وجہ سے ان کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی"

الفاروق شبلی حصہ اوّل ص 112

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

اور عروہ کی روایت میں بھی یہ بات دو ٹوک الفاظ میں مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے کفن و دفن میں شریک نہ تھے۔ یہ روایت اس طرح ہے:

"عن عروہ قال ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما لم یشھدا دفن النبی صلعم و کانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا"

کنزالعمال متقی الجزء الثالث ص 140 حدیث 2328

سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص 392 - 394

طبری الجزء الثالث ص 198 - 201

تاریخ الکامل ابن اثیر الجزء الثانی ص 123

"یعنی عروہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلعم کے دفن کے وقت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ موجود نہ تھے بلکہ اس وقت وہ دونوں مجمع انصار میں (خلافت کے لئے جھگڑ رہے) تھے اور ان دونوں کے وہاں سے آنے سے پہلے ہی جناب رسول خدا دفن ہو چکے تھے"

یہی تعجب جو علامہ شبلی نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی حالت پر کیا ہے انصار کے لئے اس سے بھی زیادہ باعث تعجب ہے کہ ان میں سے کوئی بھی پیغمبر کے غسل و کفن میں شریک نہ ہوا اور مدینہ سے باہر خفیہ طور پر ایک ایسے مقام پر جمع ہوئے جہاں باطل مشوروں کے لئے لوگ خفیہ طور پر جمع ہوا کرتے تھے۔ عقیدت اور خوش فہمی کی انتہاء ہے یہ کہ اس بات کو خلیفہ کے تقرر کی اہمیت میں شمار کیا جائے یا اسے انتخاب خلافت کے لئے اصول و دستور اور قواعد و ضوابط کے تحت کوئی کارروائی

سمجھا جائے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے پیغمبر کے غسل و کفن کی بھی پرواہ نہیں کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلیفہ کے تقرر کے لئے مصروف ہو گئے۔

حالانکہ قرائن اس بات کی پرزور طریقہ سے تائید کرتے ہیں کہ یہ انصار کی ایک سازش تھی کہ اس سے پہلے پہلے کہ مہاجرین پیغمبر کے دفن سے فارغ ہوں تم چپکے چپکے خفیہ طور پر اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنا کر اس کی حکومت کا اعلان کر دو اور یہی کام اس طرف حضرت عمرؓ کر رہے تھے کہ اہل بیت اور بنی ہاشم تو پیغمبر کے غم میں نڈھال ان کے دفن و کفن میں مصروف ہیں تم ان کے فارغ ہونے سے پہلے پہلے اپنے میں سے کسی کی بیعت کر کے اس کی حکومت کا اعلان کر دو اور حکومت پر قبضہ کر لو۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا حال

جب یہ تینوں حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو اس وقت حضرت سعد بن عبادہ کا نام پیش ہو کر ان پر اجماع انصار ہو چکا تھا لیکن وہاں جاتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے انصار کے مجمع میں ایک تقریر کی جس پر استحقاق کی بحث چھڑ گئی انصار نے اپنی خدمات اور اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں اپنی کوششوں کا ذکر کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنا حق یہ کہہ کر جتایا کہ پیغمبر ان کی قوم قریش سے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ اگر استحقاق کی بحث یونہی چلتی رہی تو کہیں کام ہی نہ بگڑ جائے جھٹ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ان کی بیعت کر لی۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

> "مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکرؓ تھے اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آتیں حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتاً" حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ

دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 118

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

لیکن بعد میں خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کو فلتتا" قرار دیا چنانچہ ابن حجر مکی نے ان کا قول اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس طرح سے نقل کیا ہے:

"ان بیعت ابی بکر کانت فلتتہ لکن و قی اللہ شرھا فمن عاد الی مثلھا فاقتلوہ"

صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص 36

"یعنی ابوبکرؓ کی بیعت فلتتہ (یعنی بغیر سوچے سمجھے ناگہانی طور پر چھینا جھپٹی کے ساتھ) ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا اب اگر آئندہ کسی اور نے یہ طریقہ اختیار کیا تو اسے قتل کر دینا"

یعنی حضرت عمرؓ نے تو اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا لیا لیکن اگر کوئی اور اس طریقہ سے بنائے تو وہ واجب القتل ہے حضرت عمرؓ کے اس بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ سازی کے جملہ امور' اصول و دستور' قواعد و ضوابط اور قانون سازی کے جملہ اختیارات انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے اور اس سلسلہ میں ان کی زبان اور ان کا کام ہی قانون کا درجہ رکھتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد حضرت عمرؓ نے حکومت کے استحکام کے لئے جتنے طریقے اختیار کئے وہ سب وہی تھے جو تمام دنیاوی حکومتیں اپنے اقتدار کو بچانے اور اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے انجام دیتی ہیں اس مطلب کو علامہ شبلی کے ان الفاظ سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہیں بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو

دبا دیا"

الفاروق شبلی حصہ اول 119

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

ہم ان بے اعتدالیوں کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے جس کا دل چاہے وہ تاریخ کی مستند کتابوں میں پڑھ سکتا ہے لیکن اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام حکومتیں اپنے مخالفوں کو دبانے کے لئے جتنے بھی ظلم ڈھاتی ہیں انہیں بے اعتدالیوں کے وسیع المعنی لفظ میں سمویا جا سکتا ہے۔

علامہ شبلی کے اس بیان میں یہ بات بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ بیعت حضرت ابوبکرؓ کی ہوئی' حاکم بھی حضرت ابوبکرؓ بنے لیکن وہ بے اعتدالیوں والی کارروائیاں نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ حضرت عمرؓ نے انجام دیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں بھی حضرت عمرؓ ہی اصل حکمران تھے

حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنایا تھا وہ ظاہرا" تو خلیفہ بن گئے تھے لیکن اصل حکمران حضرت عمرؓ ہی تھے چنانچہ اگر کبھی حضرت ابوبکرؓ کوئی ایسا حکم صادر کر دیا کرتے تھے جو حضرت عمرؓ کی مرضی کے خلاف ہوتا تھا تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کئے بغیر ہی اس حکم کی تردید کر دیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات وہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم نامہ ہی چاک کر دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی ایسی ہی باتوں کو دیکھ کر طلحہ بن عبداللہ نے ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا کہ:

"انت الامیر ام عمر فقال عمر غیران الطاعۃ لی"

تاریخ طبری الجزء الثالث ص 240

یعنی اے ابوبکرؓ بتاؤ تو سہی تم حاکم ہو یا عمر حاکم ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے

کہا حاکم تو عمرؓ ہی ہیں میرے لئے تو ظاہری اطاعت ہی ہے"

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں اس مطلب کو اپنے انداز میں اس طرح لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی 13 ھ میں انتقال کیا اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم ان واقعات کو ہم "الفاروق میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 119

علامہ شبلی کے اس بیان کا واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ واقعات چونکہ عہد صدیقی میں ہوئے تھے اس لئے انہیں الفاروق میں نہیں لکھا ورنہ ان تمام کاموں کے کرنے والے حضرت عمرؓ ہی تھے۔

لیکن ان واقعات کو عہد صدیقی میں صرف اس لئے لکھا جائے گا کیونکہ وہ عہد صدیقی میں واقع ہوئے تھے۔

مسلمان مفکرین کے نزدیک خلیفہ کے تقرر کا اصول

پروفیسر رشید احمد صاحب اپنی کتاب "مسلمانوں کے سیاسی افکار" میں لکھتے ہیں کہ:

"خلافت کا اصول موضوعہ یہ ہے کہ حکومت کی کفیل و امین ملت اسلامیہ ہے کوئی فرد واحد نہیں؟ انتخاب کرنے والے اس سیاسی حکومت کو ایک مختصر اور معتبر شخصیت میں ودیعت کر دیتے ہیں جس کو وہ امانت کا اہل تصور کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار ص 339

ہم نے پروفیسر رشید احمد کی کتاب سے خلافت کا جو اصول موضوعہ نقل کیا ہے تقریباً تمام مفکرین اسلام نے جنہوں نے خلافت کو امت کا حق سمجھا ہے اپنے اپنے الفاظ میں یہی اصول بیان کیا ہے۔

اس سے پہلے صفحہ پر علامہ اقبال کا نظریہ خلافت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"علامہ اقبال کے نزدیک خلیفہ نہ "خلیفتہ اللہ" ہوتا ہے اور نہ "خلیفتہ الرسول" بلکہ وہ خلیفتہ المسلمین ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ "سطح دنیا پر اس کی حیثیت نائب خدا کی نہیں وہ معصوم نہیں بشر ہے اور دیگر بشروں کی طرح گناہ و خطا کا مرتکب ہو سکتا ہے"

مسلمانوں کے سیاسی افکار ص 338

اور پھر اگلے صفحہ پر حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے بارے میں علامہ اقبال کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں:

"علامہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب بہ حیثیت خلیفہ کے فوری بھی تھا اور بے قاعدگی کے ساتھ عمل میں بھی آیا۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت عمرؓ کا وہ قول نقل کرتے ہیں جو آپ کے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد کا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا فوری انتخاب اگرچہ ضروریات وقت اور نتائج کے لحاظ سے نہایت مناسب اور بر محل

ہوا تاہم انتخاب کا یہ طریق اسلام میں اصول مسلمہ قرار نہیں دیا جا سکتا"

مسلمانوں کے سیاسی افکار ص 339

خلافت کو اجماعی قرار دینے والے تمام مسلمان مفکرین نے اپنی اپنی عقل اور اپنی اپنی فکر کے مطابق خلافت کے تقرر کے بارے میں جتنے بھی اصول وضع کئے ان کی وہ اپنی عقیدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چاہے جو تاویل کرتے رہیں لیکن ایک منصف مزاج اور غیرجانبدار محقق یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خلافت راشدہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے آخری فرمانروا سلطان عبدالمجید ترکی کی خلافت کے خاتمے یعنی 1924 تک کوئی بھی خلیفہ ان کے وضع کردہ اصول کے مطابق نہیں بنا اور اسی لئے اہل سنت کے معروف مفکر علامہ سعد الدین تفتازانی اپنی عقائد پر مشتمل کتاب "شرح مقاصد" میں خلافت و امامت کے تقرر کے بارے میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"خلافت و امامت قہر و غلبہ کے ذریعہ منعقد ہو جاتی ہے پس اگر کوئی شخص قہر و غلبہ کے ذریعہ لوگوں کو مغلوب کر لے تو وہ امام بن جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو اور اگر کوئی اور شخص اس غلبہ کرنے والے کو مغلوب کر لے تو وہ مغلوب ہونے والا معزول ہو جاتا ہے اور غالب آنے والا امام بن جاتا ہے"

شرح مقاصد علامہ تفتازانی

مطابق نقل حیات القلوب فارسی ج 3 ص 16

اور خلفاء کے عملی طور پر بر سر اقتدار آنے کو دیکھ کر ہی علامہ سعد الدین تفتازانی کے علاوہ علامہ اقبال نے بھی خلیفہ کے گناہ و خطاء کا مرتکب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہر مفکر نے یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے تقرر کے بارے میں یہ کہا ہے کہ "انتخاب کا یہ طریق اسلام میں اصول مسلمہ قرار نہیں دیا جا سکتا"

اور علامہ اقبال کا یہ قول حضرت عمرؓ کے اس قول کے عین مطابق ہے کہ:

"یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جا سکتا"

خلافت و ملوکیت ص 85

اور اس بات سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے تحریری وصیت نامہ کے ذریعہ تمام مہاجر و انصار کے اعتراضات اور مخالفت کے باوجود خلیفہ بنایا تھا اور یہ تقرر تمام مسلمان مفکرین کے تمام اصول ھائے موضوعہ میں سے کسی بھی وضع کردہ اصول کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر تو انتخاب کا لفظ صادق ہی نہیں آتا۔

اور جب مسلمانوں کے ان دونوں پہلے خلفاء کے تقرر کا یہ حال ہے تو بعد میں اور کون ایسا ہے جس کے تقرر یا خلیفہ بننے کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ اسلام کے اصول مسلمہ کے مطابق خلیفہ بنا تھا اور اس کے انتخاب کا یہ طریق اسلام میں اصول مسلمہ کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے جہاں تک خلیفہ بننے کے بعد میں بیعت کا سوال ہے تو 1924ء تک یعنی خلیفہ عبدالمجید ترکی کے بعد خلافت کے خاتمہ تک ہر خلیفہ کی بیعت ہوتی رہی ہے چاہے بقول علامہ سعدالدین تفتازانی وہ کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام مسلمان مفکرین نے جنہوں نے خلیفہ کے تقرر کو اجماعی قرار دیا خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں اپنی اپنی عقل اور اپنی اپنی فکر سے جتنے بھی اصول وضع کئے وہ قرآن و سنت کی کسی دلیل کی بناء پر وضع نہیں کئے تھے بلکہ جو کچھ ہو گیا اور جس طرح ہو گیا انہوں نے اس کو نبھانے کے لئے اور اس کو جائز اور صحیح قرار دینے کے لئے اپنی اپنی کوشش کی اور اپنی اپنی فکر سے اپنے اپنے اصول بنائے مگر ان میں سے کسی کے بھی وضع کردہ اصولوں پر کوئی بھی خلیفہ بنتا نظر نہیں آتا اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے دانشوروں نے دھوکہ کھایا ہے جیسا کہ علامہ اقبال کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ:

> "خلیفہ نہ خلیفتہ اللہ ہوتا ہے اور نہ خلیفتہ الرسول بلکہ وہ خلیفتہ المسلمین ہوتا ہے"

علامہ اقبال کا یہ کہنا کہ خلیفہ نہ خلیفتہ اللہ ہوتا ہے اور نہ خلیفتہ الرسول تو بالکل درست ہے لیکن خلیفہ کو خلیفتہ المسلمین کہنے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں بلکہ چودہ سو سال تک مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کے خلیفہ کہلوانے سے علامہ موصوف بھی دھوکہ کھا گئے اور اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود فریب میں آ گئے۔ بہرحال حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے

بارے میں مسلمان مفکرین اور حضرت عمرؓ کا نظریہ معلوم ہو گیا آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ کس طرح خلیفہ بنائے گئے۔

حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا حال

تمام مستند اور معتبر تاریخوں کی طرح مولانا شبلی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ:

"جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اب وہ خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا ابتدائی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ' حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تم کو جزائے خیر دے"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 120

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا دوسری تمام مستند اور معتبر کتابوں میں بھی اس طرح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری الجزء الرابع ص 52- تاریخ کامل ابن الاثیر الجزء الثانی ص 163 تاریخ خمیس دیار بکری الجزء الثانی ص 268 وغیرہ

حضرت ابو بکرؓ کے اس طرح وصیت کرنے کو اور حضرت عثمانؓ کے مذکورہ فعل کو کیا کہنا چاہئے اہل انصاف خود فیصلہ کر سکتے ہیں ہمیں اس پر کسی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے

لیکن حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کو شوریٰ کے ذریعہ سمجھنا' یا جمہوریت کا رنگ دینا یا اب اسے جمہوری بنانے کی کوشش کرنا سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے اور دھوکہ دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ تمام تاریخوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا چرچا ہوا تو مہاجرین وانصار کے اصحاب نے اس کی مخالفت کی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی بیعت کس طرح لی

ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت ابوبکرؓ نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمرؓ کو دیا اور کہا اس کو لے جا کر لوگوں سے کہو یہ میرا حکم ہے اس کو سنیں اور اطاعت کریں۔

پس حضرت عمرؓ وہ وثیقہ لے گئے اور لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے کہا سنا اور اطاعت کی۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا اس میں کیا لکھا ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ تو میں جانتا نہیں مگر اس کو سب سے پہلے میں نے سنا اور اطاعت کی اس شخص نے کہا لیکن بخدا میں جانتا ہوں کہ اس میں کیا ہے پہلے سال تم نے ابوبکرؓ کو حاکم بنایا تھا اب وہ تم کو حاکم بناتا ہے۔

کتاب الامامت والسیاست کے آخری اصل الفاظ اس طرح ہیں:

"قال لکنی واللہ ادری مافیہ امرتہ عام اول و امرک عام"

کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص 19

حضرت عمرؓ اور خلافت کی فکر

اگر کوئی شخص ذرا سا بھی انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ تحقیق کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حکومت کو خاندان نبوت سے نکالنے میں کامیابی کے بعد بھی آخر تک خلافت کا سارے کا سارا معاملہ حضرت عمرؓ کی ذات ہی کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ

ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ ان کے بعد بھی حکومت کبھی خاندان نبوت میں نہ جا سکے اور اس کا اندازہ علامہ شبلی کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچان ہیں"

الفاروق شبلی حصہ اول ص 264

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

ایک غیر جانبدار محقق یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آخر حضرت عمرؓ کو خلافت کے بارے میں فکر کیا تھی؟ اور کیوں تھی؟ اور پیغمبر کو یہ جانتے بوجھتے کہ ان کے بعد فتنوں کا طوفان اٹھے گا سارا عرب مرتد ہو جائے گا جس طرح لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اسی طرح خارج ہو جائیں گے ایک شخص صبح کو مومن اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا آپ مشاہدہ کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے گھروں میں فتنے اس طرح داخل ہو رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے۔ ان تمام باتوں کے باوجود کہ آپ کا سارا کیا کرایا آپ کے آنکھ بند کرتے ہی ملیامیٹ ہو جائے گا آپ کو اپنے جانشین و خلیفہ کے بارے میں کوئی فکر کیوں نہ ہوئی؟ حالانکہ مذکورہ حالات جانتے ہوئے پیغمبر کا یہ فرض بنتا تھا کہ اپنے بعد کے لئے اپنے جانشین و خلیفہ کا اعلان کر کے اور اپنا نائب مقرر کر کے جاتے تاکہ آپ کا کیا کرایا سارا اکارت نہ ہو جائے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے تو اپنے بعد اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن جن لوگوں نے پیغمبر کی حکومت کو نبوت سے الگ دنیا کی حکومت کی طرح کی ایک حکومت سمجھا تھا انہوں نے انقلاب برپا کر دیا اور اپنے انقلاب کو کامیاب کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈا کیا کہ پیغمبر نے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین نہیں بنایا انہوں نے اپنی جماعت کو یہ نعرہ دیا کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے اور چونکہ اس انقلاب اور اس نعرے

وہی تھے لہٰذا انہیں یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ اس مشن کو آگے کیسے چلایا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے درمیان یہ عہد و پیمان ہو چکا تھا کہ خاندان نبوت سے خلافت و حکومت کو نکالنے کے بعد وہ تینوں یکے بعد دیگرے حکومت کریں گے اور ایسی تدابیر اختیار کریں گے کہ خاندان نبوت میں کبھی بھی حکومت نہ جا سکے لہٰذا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی موجودگی میں تو انہیں کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ اس کا انہوں نے اپنی زندگی ہی میں برملا طور پر اعلان کر دیا تھا جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی میں اپنی حکومت کے دوران یہ فرما دیا تھا کہ:

"ان ادرکنی اجلی و ابو عبیدہ حی استخلفتہ"

تاریخ اسلام ذہبی ج 2 ص 23

"یعنی اگر میری موت آگئی اور اس وقت ابوعبیدہ زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کروں گا"

پس ابوعبیدہ کے زندہ رہنے کی صورت میں تو خلافت کے لئے کسی فکر میں غلطان و پیچان رہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن چونکہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح حضرت عمرؓ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے اور دوسرے حلیف و ہم عہد ساتھی بھی جنہیں انہوں نے اپنی رحلت کے وقت ایک ایک کر کے یاد کیا اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے لہٰذا وہ خلافت کے بارے میں فکرمند اور غلطاں و پیچاں رہنے لگے اور سب سے بڑی فکر انہیں یہی تھی کہ کہیں یہ پھر خاندان نبوت میں نہ چلی جائے۔

خلافت کے بارے میں حضرت عمرؓ کی پریشانی

صحیح بخاری کی ایک روایت سے اس بات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خلافت کے بارے میں اصل پریشانی کیا تھی۔ اور وہ روایت یہ کہ:

"ایک دفعہ کسی شخص نے یہ کہہ دیا کہ اگر عمرؓ مر جائے گا تو میں فلاں شخص کی

بیعت کروں گا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوئے۔

صحیح بخاری میں ان کے اپنے الفاظ اس طرح نقل ہوئے ہیں:

"انہ بلغنی ان قائلا" منکم یقول واللہ لو مات عمر بایعت فلانا" فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعتہ ابی بکر فلتتہ و تمت الا و انھا قد کانت کذالک ولکن اللہ وقی شرھا ولیس منکم من تقطع الاعناق الیہ مثل ابی بکر من بایع رجلا من غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو ولا الذی تابعہ تغرۃ ان یقتلا"

صحیح بخاری باب رجم الحبلی الجزء الرابع ص 119-120

"یعنی مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اگر عمر مر جائے گا تو میں فلاں شخص سے بیعت کرلوں گا کسی شخص کو دھوکے میں نہ رہنا چاہئے کہ ابو بکرؓ کی بیعت تو ایک ناگہانی' اچانک بغیر کسی مشورے کے "فلتہ" ہوئی تھی لیکن وہ پوری ہو گئی۔ خبردار بے شک ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی تو ناگہانی' اچانک بغیر مشورہ ہی کے تھی لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے جو اس کا لازمی نتیجہ تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اسی طرح اٹھتی ہوں جس طرح ابو بکرؓ کی طرف اٹھتی تھیں پس آئندہ سے جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورے سے بیعت کرے تو نہ تو اس کی بیعت کی جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے اور نہ اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے اگر کوئی ایسا دھوکہ کھائے تو وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں"

اس روایت میں لفظ "بایعت فلانا" خاص طور پر قابل غور ہے یعنی میں فلاں شخص کی بیعت کروں گا۔ یقیناً اس کہنے والے نے تو ہرگز فلانا نہ کہا ہو گا بلکہ ضرور نام لیا ہو گا کہ میں اس کی بیعت کرلوں گا اور وہی شخص تو حضرت عمرؓ کی دکھتی رگ تھا لہٰذا فوراً فتویٰ دیا کہ جو اس کی بیعت کرے اسے بھی قتل کر دو اور جس کی وہ بیعت کرے اسے بھی قتل کر دو حضرت ابو بکرؓ کی بیعت بغیر مشورہ کے ہوئی وہ بھی ٹھیک ہے خود اپنی بیعت بغیر مشورہ کے ہوئی بلکہ مخالفت

کے باوجود ہوئی وہ بھی ٹھیک ہے لیکن اب اگر کوئی اس طرح بنے یا بنائے وہ دونوں واجب القتل ہیں۔

کیا اب بھی کوئی شک کی گنجائش ہے کہ خلافت کا معاملہ سارے کا سارا حضرت عمرؓ کی ذات کے گرد گردش کرتا ہوا نظر آتا ہے خلافت کے اصول وضع کرنے والے وہ' خلافت کا دستور بنانے والے وہ' خلافت کے قواعد و ضوابط بنانے والے وہ' اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کر جانے والے بھی وہ۔

اہل سنت کے معروف عالم علامہ زمخشری نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں واقع لفظ " فلتۃ " کی اس طرح تشریح کی ہے:

"فما قلدها ابوبكر الا انتزاعا" من الايدى و اختلاسا من المخالب و مثل هذه البيعته جديرة بان تكون مهيجته للشر و الفتننه فعصم الله ذالک و وقى "

علامہ زمخشری کتاب فائق ج 1 ص 146

مطابق نقل سیرۃ امیر المومنین ص 375

"یعنی حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کا طوق اس طرح اپنے گلے میں ڈالا جس طرح چھینا جھپٹی کر کے دوسروں کے ہاتھ سے کوئی چیز چھین لی جائے لامحالہ ایسی بیعت فتنہ زا اور شر انگیز ہو سکتی تھی مگر اللہ نے اس کے شر سے بچالیا"

اہل سنت ہی کے ایک اور مشہور عالم مولانا ابو الاعلی مودودی نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں صحیح بخاری کتاب المحاربین باب 16 اور مسند احمد حنبل ج 1 حدیث 391 کے حوالہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"حضرت عمرؓ کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر ایک شخص نے کہا "اگر عمرؓ کا انتقال ہوا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا کیونکہ ابوبکرؓ کی بیعت بھی تو اچانک ہی ہوئی تھی اور آخر وہ کامیاب ہو گئی"

حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا میں اس معاملہ پر تقریر کروں گا اور عوام کو ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو ان کے معاملات میں غاصبانہ تسلط قائم

اس قصہ کا ذکر کیا اور بڑی
سوص حالات تھے جن میں
سلسلے میں انہوں نے فرمایا:
جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں
ہی مشکل ہو اور بدلنا بھی
یں ابوبکرؓ جیسی بلند و بالا اور
کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت
لئے پیش کریں گے"

لافت و ملوکیت ص 84-85

سے زیادہ اور کوئی تبصرہ
س طرح سے خلیفہ بنایا
نص اس طرح خلیفہ بنے
ب القتل ہو گا اور یہ کہ
سکتا۔ اس سے زیادہ اس
مت بعد میں اسے چاہیے

یاد

ضرت عمرؓ کی ذات کے گرد
رہے جنہیں وہ اپنے بعد
ال زندہ ہوتا تو اسے خلیفہ
ت عمرؓ کو خلیفہ سازی کے یہ

ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں ک
موت کو قریب دیکھا تو اپنے بیٹے کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج کر ان ک
کے اندر دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں اس کی
ساتھ ہی انہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا:

"فقال و من تامرنی ان استخلف لو ادرکت ابا عبیدہ بن ا
استخلفتہ وولیتہ الخ"

کتاب الامامت والسیاست اب

"یعنی حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے کس کو خلیفہ مقرر
ہے اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں تو ان کو خلیفہ بناتا اور ان ک
"

یہ وہی ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جن کے پاس پیغمبر کی رحلت کے
کہ:

"تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کروں"

طبقات ابن سعد ق 1 ج

اور یہ وہی ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جن کے بارے میں حضرت ع
دوران فرمایا تھا کہ:

"اگر میری موت آ گئی اور اس وقت ابو عبیدہ زندہ ہوئے تو
مقرر کروں گا"

تاریخ اسلام ذہ

ابن قتیبہ دینوری کے علاوہ یہی بات کہ "اگر ابوعبیدہ بن الجراح
خلیفہ مقرر کرتا اور ان کو حاکم بناتا" تاریخ طبری الجزء الخامس ص 34، و
الجزء الثانی ص 25 اور تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص 272 پر بھی لکھی ہ

غریب فیصلہ دیا اور ایسا حکم فرمایا جو حضرت علیؑ کے قتل پر منتج ہو۔

حضرت عمرؓ کا وہ حکم یا فیصلہ تاریخوں میں اس طرح لکھا ہوا ہے:

"ثم قال ان استقام امر خمسۃ منکم و خالف واحد فاضربوا عنقہ' و ان استقام اربعۃ واختلف اثنان فاضربوا اعناقھما و ان استقام ثلاثۃ' و اختلف ثلاثۃ فاحتملوا الی ابنی عبداللہ فلای الثلاثۃ قضی فالخلیفۃ منھم وفیھم فان ابی الثلاثۃ الاخر من ذالک فاضربوا اعناقھم"

الامامت والسیاست ابن قتیبہ ص 22

"یعنی پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان چھ ارکان سے فرمایا کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں کی گردن مار دینا اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہو گا اور ان تینوں میں سے جسے وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہو گا اور اگر دوسرے تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کر دینا"

کیا اب بھی کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ خلافت کا سارا معاملہ حضرت عمرؓ کی خواہش ان کی مرضی اور ان کی رائے کے گرد گھوم رہا تھا اور سارے اصول و دستور اور قواعد و ضوابط ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور حکم و فیصلہ کے مطابق بنتے چلے جاتے تھے جو اس طرح سے بیعت کرے جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی کی گئی اس کو قتل کر دو اور جس کی اس طرح سے بیعت کی جائے اسے بھی قتل کر دو۔ شوریٰ میں اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک مخالف ہو تو اس ایک کو قتل کر دو اگر چار ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف تو ان دو کو قتل کر دو اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو میرا لڑکا جسے بنا دے دوسرے تین کو قتل کر دو۔ کیا اس سے زیادہ بھی کسی کی زبان قانون کا درجہ رکھ سکتی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے یہ فرزند حضرت عبداللہ جنہیں حضرت عمرؓ نے حکم اور سرپنچ بنا کر آخری فیصلہ کرنے کا اختیار دیا تھا وہ حضرت علیؑ کے اتنے خلاف تھے کہ انہوں نے معاویہ اور یزید کی تو بیعت کر لی تھی لیکن حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بھی بیعت نہیں کی تھی۔

پس کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سارا کھیل حضرت علیؑ کو قتل کرانے کے لئے کھیلا جا رہا تھا جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنے زخمی ہونے سے پہلے ہی لوگوں سے یہ کہا ہوا تھا کہ ان کے بعد عثمانؓ خلیفہ ہوں گے اور یہ بھی ایک سبب تھا ان اسباب میں سے کہ جن کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو حقدار اور خلافت کا اہل ہونے کے باوجود خلافت سپرد نہ کی اور اس بات کو کہ ان کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے کنزل العمال میں اس طرح لکھا ہے:

"عن حذیفہ قال قیل نعمر بن الخطاب و ھو بالمدینۃ یا امیر المئومنین من الخلیفۃ بعدک قال عثمان بن عفان"

کنزل العال متقی انجزء الثالث ص 158

حدیث 2448

"یعنی حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ عثمان بن عفان"

کنزل العمال ہی کی ایک اور روایت میں اس طرح منقول ہے کہ:

"حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبۃ عن ابی اسحق عن حادثہ عن مطرف قال حجت فی امارۃ عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافۃ من بعدہ لعثمان"

کنزل العمال الجزء الثالث ص 60 حدیث 2459

یعنی مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس بات میں شک نہیں تھا کہ عمرؓ کے بعد عثمانؓ خلیفہ ہوں گے۔

ان دونوں روایات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ تو خود کر دیا تھا لیکن انہوں نے شوریٰ کے ذریعہ ایک ایسی خوبصورت تدبیر نکالی کہ ہر صورت میں حضرت عثمانؓ خلیفہ بنیں اور حضرت علیؑ قتل کر دیئے جائیں۔

پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی دنیاوی حکومت کے بانی

ہمارے اب تک کے بیان سے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ پیغمبر کے بعد جو حکومت

یعنی ہم نے تمام رسول اس لئے مبعوث برسالت کئے تھے تاکہ ہمارے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خدا نے ہر رسول کی اطاعت فرض اور واجب قرار دی تھی اور فی الحقیقت اطاعت ہی حکومت کی علامت ہے پس ہر رسول کی رسالت میں حکومت شامل تھی اور اسی بناء پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے:

"ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" النساء-80

"یعنی جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ یقینی طور پر خدا ہی کی اطاعت کرے گا"

کیونکہ اس اطاعت سے خدا کا وہ منشاء پورا ہوتا ہے جو اسے اپنی حکومت سے مطلوب ہے اور وہ صرف یہ ہے کہ:

"ان تطیعوہ تھتدوا" النور-54

"یعنی اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے"

البتہ اس بات سے بھی کسی کے لئے مجال انکار نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک کسی بھی نبی کو غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں ہوا سوائے چند انبیاء کے جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

لہذا دنیاوی حکومت' ظاہری غلبہ اور سیاسی اقتدار ہمیشہ دوسروں کے پاس ہی رہا اور حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ حکومت الہیہ کے سربراہ ہمیشہ خاموشی کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے اور ان پر ایمان رکھنے والے بھی ہمیشہ خاموشی کے ساتھ حکومت الہیہ کے ان فرمانرواؤں اور سربراہوں کی اطاعت و پیروی کرتے رہے۔

پس پیغمبر کے بعد جن لوگوں نے ظاہری غلبہ' دنیاوی حکومت اور سیاسی اقتدار حاصل کیا وہ بھی تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور وہ سب کے سب دنیاوی حکمرانوں کی حیثیت سے اپنا کام کرتے رہے اور ملک گیری' کشور کشائی اور فتوحات ملکی میں لگے رہے اور وہ ہادیان دین اور آئمہ طاہرین جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خدا کے حکم سے اپنا نائب و جانشین و خلیفہ و ہادی و امام مقرر فرمایا تھا وہ بھی حکومت الہیہ کے ان سربراہوں اور

پیغمبر کے بعد دنیاوی حکمرانوں کا پہلا سلسلہ

مذکورہ دنیاوی حکمرانوں کا پہلا سلسلہ ان فرمانرواؤں کا ہے جنہوں نے خاندان نبوت سے حکومت نکالنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور حکومت نہ جائے کیونکہ اگر بنی ہاشم میں حکومت چلی گئی تو پھر ان کی میراث بن جائے گی اور اگر کسی دوسرے کو ملی تو پھر یہ قریش کے دوسرے قبیلوں میں گھومتی رہے گی لہٰذا اس پروگرام کو پائیہ تکمیل تک پہنچانے والے مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے کچھ تو برسراقتدار آ گئے اور کچھ اپنا نمبر آنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے جیسے ابوعبیدہ بن الجراح اور سالم مولی حذیفہ جن کے بارے میں حضرت عمرؓ نے واضح طور پر فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت اقتدار پر قبضہ کرنے سے پہلے تو یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات پر متفق کیا جائے کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جائے اور اس سلسلہ کے حکمرانوں کا یہ پروپیگنڈہ خود اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبر نے اپنے بعد جن بارہ جانشینوں کا اعلان کیا تھا وہ ایک ہی خاندان بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے اس سلسلہ کی دوسری بڑی ضرورت یہ تھی کہ پیغمبر کے احکام کا تجزیہ کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ پیغمبر کے احکام دو طرح کے تھے ایک وہ جو آپ نے بحیثیت نبی کے صادر فرمائے دوسرے وہ احکام جو آپ نے ایک عام انسان کی حیثیت سے دیئے جیسا کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے:

> "نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 503

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

اس طرح اس سلسلہ کے حکمرانوں نے پیغمبر کی حکومت کو ایک دنیاوی حکومت سمجھا اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ پیغمبر حکومت کو اپنے خاندان کی میراث بنانا چاہتے ہیں لہٰذا انہوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد استحکام حکومت کے لئے

حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو دنیاوی حکمران حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کے ساتھ کرتے رہے ہیں اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

نمبر1- عدم استخلاف کا پروپیگنڈہ

اس سلسلہ کے حکمرانوں نے ایک طرف تو احادیث کے بیان کرنے پر پابندی لگا دی تا کہ کوئی یہ نہ بیان کرنے پائے کہ پیغمبر نے تو اپنے بعد اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لہٰذا یہ اقتدار پر قبضہ کرنے کی کشمکش کیسی؟ دوسرے اس سلسلہ کی سب سے اہم ضرورت یہ تھی کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ پیغمبر نے اپنے بعد کے لئے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ مگر پیغمبر کے اصحاب میں سے بہت سوں نے قید کی سختیاں جھیلیں، کوڑے کھائے مگر پیغمبر کی وہ احادیث بیان کر ہی دیں جن میں پیغمبر کی طرف سے اپنے جانشین کے تقرر کا بیان تھا اس سلسلے کے حکمرانوں کی یہ ترکیب لوگوں کو حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کی طرف متوجہ ہونے سے روکنے کے لئے تھی۔

نمبر2- اقتصادی مار

وہ حکمران جو انقلاب برپا کر کے دنیاوی حکومت اور اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں وہ اپنے مخالفین کو جن طریقوں سے دباتے ہیں ان میں سے ایک طریقہ اپنے مخالفین کو اقتصادی مار دینا ہے چنانچہ پیغمبر کے بعد برسراقتدار آنے والے حکمران بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور انہوں نے بھی برسراقتدار آتے ہی فوری طور پر اس نسخہ کو استعمال کیا۔

"باغ فدک کا چھین لینا اور خمس کا اہل بیت سے روک لینا اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور اس سلسلے میں طول و طویل بیان نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حکومت کے طرفداروں میں سے کسی کو اس بارے میں اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو اس کا انکار ہے البتہ یہ طرفداری کا تقاضا ہے کہ ان کے طرفدار ان کے اس فعل کو جائز قرار دیں۔

مخالفین کا اعدام یا قتل

وہ لوگ جو حکومت کی خواہش اور ہوس اقتدار رکھتے ہیں وہ کسی دوسرے آدمی کو برسراقتدار آتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ اقتدار کی ہوس باپ کو قید کرا دیتی ہے بیٹے کو قتل کرا دیتی ہے بھائیوں کی آنکھیں نکلوا کر قتل کرانے سے بھی دریغ نہیں کرتی اور جب ایسے افراد برسراقتدار آ جاتے ہیں تو رحمت اللہ علیہ بن جاتے ہیں یہی دنیا کی تاریخ ہے۔ جب ہم انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل ہوس اقتدار کی وجہ سے ہی ہوا تھا یہ ایک بھائی نے اپنے ہی بھائی کو قتل کیا تھا یعنی قابیل نے ہابیل کو اقتدار کی ہوس میں قتل کر دیا۔

حضرت ہابیل کے بارے میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں ایک یہ ہے جسے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح نقل کیا ہے:

"ف 3-4: آدم علیہ السلام دستور کے موافق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اس کا طلب گار ہوا۔ آخر حضرت آدمؑ کے اشارے سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی جس کی نیاز قبول ہو جائے لڑکی اس کو دے دی جائے آدم علیہ السلام کو غالباً" یہ یقین تھا کہ ہابیل کی نیاز مقبول ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی یہی علامت اس وقت قبول عنداللہ کی تھی۔ قابیل یہ دیکھ کر حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیض و غضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا" (اور بلاخر اسے قتل کر دیا)

تفسیر عثمانی ص 145

دوسری روایت آئمہ اہل بیت سے مروی ہے جو مختصراً" اس طرح ہے کہ:

سلیمان بن خالد نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ "قابیل نے ہابیل کو کس سبب سے قتل کیا تھا" آپ نے فرمایا کہ "اس کا سبب

یہ تھا کہ آدم علیہ السلام نے ہابیل کو اپنا وصی بنا دیا تھا" اس کے بعد آپ نے فرمایا "اے سلیمان خدا نے آدم علیہ السلام کو یہ وحی کی کہ خدا کا اسم اعظم ہابیل کو دے کر اس کو اپنا وصی بنا دو اور قابیل اس سے بڑا تھا پس جب اس نے اس بات کو سنا تو وہ بہت غضبناک ہوا اور اس نے کہا کہ:

"میں اس کرامت اور وصیت کا زیادہ حقدار ہوں" پس آدم علیہ السلام نے خدا کی وحی کے مطابق ان دونوں سے کہا کہ وہ دونوں خدا کے حضور میں اپنی اپنی نذر اور قربانی پیش کریں جب انہوں نے اپنی اپنی قربانیاں اور نذریں پیش کیں تو خدا نے ہابیل کی قربانی کو قبول کر لیا اس پر قابیل نے ہابیل پر حسد کیا اور اس کو قتل کر دیا"

حیات القلوب فارسی جلد اول ص 68

قرآن کریم میں اس واقعہ کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

"واتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احد ھما و لم یتقبل من الاخر' قال لاقتلنک' قال انما یتقبل اللہ من المتقین'

المائدہ ۲۷

شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیز گاروں سے"

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان کوئی غلط روایت آدمؑ کے بیٹوں کے بارے میں مشہور ہوئی تھی لہٰذا خدا نے فرمایا کہ تم آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا واقعی' حق حق اور سچا حال بیان کر دو۔

اس آیت میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ ہابیل کی نیاز اس وجہ سے قبول ہوئی کہ وہ متقی' پرہیز گار' نیک اور معصوم تھا اور قابیل ایسا نہ تھا۔ لہٰذا اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز دی جا رہی تھی وہ متقی' پرہیز گار نیک اور

معصوم ہستی کو دی جاتی تھی اور لڑکی کی شادی کے لئے کسی ایسی شرط کی ضرورت نہیں تھی۔

اس زمانہ میں نذر کی قبولیت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آگ خدا کی طرف سے آتی تھی اور اس نذر کو کھا جاتی تھی۔ اور قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا نازل ہونا اور نذر کو کھا جانا۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی تصدیق کے لئے بطور معجزے کے ہوتا تھا جیسا کہ سورۃ آل عمران میں بیان ہوا ہے کہ:

"الذین قالوا ان اللہ عھد الینا الا نئومن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار' قل قد جاء کم رسل من قبلی بالبینت و بالذی قلتم فلم قتلتمو ھم ان کنتم صادقین"

آل عمران۱۸۳

"یعنی وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔ اے رسول کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسولؐ معجزات لے کر آئے اور یہ معجزہ بھی لے کر آئے تو تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا اگر تم سچے ہو"

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:

"ف 5 : یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اس خاص معجزے کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موقوف ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے۔ تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر

جب تک خاص یہ ہی معجزہ نہ دکھلائے گا ہم نہ مانیں گے"

تفسیر عثمانی ص - 96

اس سے ثابت ہوا کہ کسی کی نذر کو آگ خدائی معجزے کے طور پر کھاتی تھی جو وہ اپنے انبیاء اور رسولوں کی صداقت کے لئے دکھاتا تھا۔ پس ہابیل کی نذر بھی آگ نے خدائی معجزے کے طور پر کھائی تھی جو اس بات کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ ہابیل کو آدمؑ نے ہمارے حکم سے اپنا وصی مقرر کیا ہے۔

یہ آیت واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ یہ معجزہ انبیاء و رسل کے لئے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اور دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو پیغمبر اکرمؐ سے یہ معجزہ طلب کر رہے تھے انہوں نے کسی نبی یا رسول کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ گزشتہ زمانہ میں جتنے انبیاء و رسل یہ معجزہ دکھانے کے باوجود قتل کئے گئے تھے اس کی ان کی طرف نسبت دی گئی ہے پس ہابیل بھی آدم علیہ السلام کا وصی ہونے کی بناء پر مذکورہ معجزہ دکھانے کے باوجود قتل کئے گئے تھے لہٰذا "**و بالذی قلتم فلم قتلتمو هم**" یعنی وہ سابقہ انبیاء و رسل یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے جو تم اب ہمارے پیغمبر سے طلب کر رہے ہو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا میں حضرت ہابیل علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

چونکہ پیغمبر کے زمانہ میں غلط طور پر لڑکی سے شادی والی روایت لوگوں کے درمیان مشہور ہوئی تھی لہٰذا خداوند تعالیٰ نے سورۃ مائدہ کی آیت میں فرمایا کہ ان سے آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا حال واقعی اور حق حق جو سچا ہے وہ بیان کر دو۔ کہ یہ لڑکی سے شادی کا معاملہ نہیں تھا بلکہ آدم علیہ السلام نے ہمارے حکم سے ہابیل کو اپنا وصی بنایا تھا اور ہم نے اس کی صداقت کے لئے یہ معجزہ دکھایا تھا۔ پس ہابیل کے وصی بنائے جانے کے حسد نے قابیل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ہابیل کو قتل کر دے لہٰذا قابیل نے ہوس اقتدار میں اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے روئے زمین پر اپنے مخالف کے اعدام اور قتل کی بنیاد رکھ دی اور اسی دن سے کوئی بھی خواہش اقتدار رکھنے والا اپنے مقابل کو برداشت نہیں کرتا۔ چاہے وہ مقابل حکومت الٰہیہ کے فرمانرواؤں میں سے ہو یا اسی کی مانند کوئی دوسرا شخص ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال کے بعد حکومت پر قبضہ کر کے برسراقتدار آنے والوں کے بھی دو مخالف امیدوار تھے ایک سعد بن عبادہ انصاری جو پیغمبر کے بعد حکومت حاصل کرنے کے طلبگار تھے اور دوسرے حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں میں سے پیغمبر اکرمؐ کے وصی حضرت علی علیہ السلام' چنانچہ ان دونوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔

سعد بن عبادہ انصاری کا قتل

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے ہاتھا پائی ہو رہی تھی اور قریب تھا کہ سعد لوگوں کے پاؤں تلے کچلے جاتے تو سعد نے کہا:

"فقال سعد قتلتمونی فقیل اقتلوہ قتلہ اللہ فقال سعد احملونی من هذ المکان فحملوہ نادخلوا دارہ"

ماخوذ از الامامت و السیاست ابن قتیبہ ص 6 تا 14

مطابق نقل البلاغ المبین جلد دوم طبع دوم ص 100

"یعنی سعد نے کہا کہ تم نے مجھ کو مار ڈالا ہے کہا گیا کہ اس کو قتل کر دو' خدا اسے قتل کرے' اس پر سعد نے کہا کہ مجھے اس جگہ سے اٹھا کر لے چلو' چنانچہ اس کو اس کے اپنے گھر لے گئے"

ابن قتیبہ نے یہ کہنے والے کا نام واضح طور پر نہیں لکھا کہ سعد کو قتل کر دو لیکن صحیح بخاری میں یہ کہنے والے کا نام واضح طور پر لکھا ہوا ہے جو اس طرح ہے:

"فقال قائلهم قتلتم سعد بن عبادہ قال عمر قتلہ اللہ"

صحیح بخاری کتاب الفضائل اصحاب النبی

مطابق نقل البلاغ المبین جلد دوم طبع دوم میں 114

"یعنی ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم نے تو سعد بن عبادہ کو

مار ہی ڈالا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا اسے قتل کرے"

سعد بن عبادہ سقیفہ بنی ساعدہ سے تو بچ کر آ گئے لیکن بچ کر کہاں جاتے جب حضرت عمرؓ برسراقتدار آئے تو انہوں نے ایک دفعہ سعد کو راستہ میں دیکھ کر کہا کہ تم وہی ہو' کہا ہاں میں وہی ہوں اور میرا مؤقف بھی وہی ہے میں تمہارے قرب سے اب بھی اتنا ہی بیزار ہوں جتنا کہ پہلے تھا۔ کہا کہ پھر مدینہ چھوڑ کر چلے کیوں نہیں جاتے سعد خطرہ تو محسوس کر ہی رہے تھے حضرت عمرؓ کے تیوروں کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ کسی وقت بھی انہیں موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے اس خدشہ کے پیش نظر وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے اور چند دنوں کے بعد حوران کے مقام پر قتل کر دیئے گئے جیسا کہ ابن عبدربہ اندلسی نے اپنی کتاب عقد الفرید میں تحریر کیا ہے کہ:

"بعث رجلا الی الشام فقال ادعہ الی البیعتہ احمل لہ بکل ماقدرت علیہ فان ابی فاستعن اللہ علیہ فقدم الرجل الشام فلقیہ بحوران فی حائط فدعاہ الی البیعتہ فقال لا ابایع قرشیاً ابدا" قال فانی اقاتلک قال و ان قاتلتنی' قال افخارج انت مما دخلت فیہ الامتہ قال اما من البیعہ فانا خارج فرماہ بسہم فقتلہ"

عقد الفرید ابن عبدربہ اندلسی ج 3 ص 65
مطابق نقل سیرۃ امیرالمؤمنین ص 380

"یعنی حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو شام روانہ کیا اور اسے کہا کہ وہ سعد سے بیعت کا مطالبہ کرے اور اس سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد چاہے وہ شخص شام پہنچا اور مقام حوران میں ایک چار دیواری کے اندر سعد سے ملا اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ میں اس قریشی کی بیعت نہیں کروں گا اس شخص نے کہا کہ میں تم سے جنگ کروں گا کہا کہ خواہ جنگ کرو' کہا کہ کیا تم اس چیز سے باہر رہنا چاہتے ہو جس میں امت داخل ہو چکی ہے کہا کہ میں بیعت سے خارج رہنا چاہتا ہوں پس اس شخص نے اس کو ایک تیر مارا اور اسے قتل کر دیا"

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی حدود میں ایک معزز صحابی' خلافت کا امیدوار' قبیلہ بنی خزرج کا رئیس' پیغمبر کی خلوص دل سے خدمت کرنے والا' مہاجرین قریش کو پناہ دینے والا اور انہیں اپنے مال میں سے مدد پہنچانے والا عالم غربت میں قتل کر دیا گیا لیکن اس بات کی مطلقاً تفتیش نہ کی گئی کہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں ایک معزز صحابی رئیس خزرخ انصار کا سردار مہاجرین کا محسن کیوں اور کیسے قتل کر دیا گیا؟

دنیا کا حال یہی ہے یہاں اقتدار کے حصول کی خاطر باپ تک کو قید کر دیا جاتا ہے اور اقتدار کے حصول کے بعد بھائیوں تک کی آنکھیں نکلوا کر قتل کر دیا جاتا ہے اور اس کے اقتدار و فتوحات کو دیکھ کر مورخ اسے رحمت اللہ علیہ لکھتا ہے۔

یہ خلافت کے ایک امیدوار کا حشر ہوا' اب حکومت الیہ کے فرمانروا پیغمبر کے جانشین و خلیفہ امام و ہادی خلق کا حال دیکھئے ان سے بیعت لینے کے لئے ہر بار قتل کی دھمکیاں دی گئیں جو تاریخوں کے صفحات میں محفوظ ہیں جس میں واضح الفاظ میں یہ کہا گیا کہ:

"نضرب عنقک"

ماخوذ از الامامت و السیاست الجزء الاول ص 6 تا 14

مطابق نقل البلاغ المبین جلد دوم طبع دوم ص 108

"یعنی اگر تم بیعت نہیں کرو گے تو ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے"

اور بعد میں ایک موقع پر اس خیال سے کہ کہیں ان کے بعد کوئی حضرت علیؑ کی اس طرح سے بیعت نہ کر لے جس طرح انہوں نے کی تھی یہ حکم صادر فرمایا کہ اب جو کوئی اس طرح سے کسی کی بیعت کرے جس طرح میں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے"

صحیح بخاری باب رجم الحبلی الجزء الرابع ص 119-120

خلافت و ملوکیت ص 84' 85

اور پھر شوریٰ کے بارے میں ایسا حکم دیا کہ جو ہر صورت میں حضرت علیؑ کے قتل پر منتج ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسا انتظام کیا کہ بنی ہاشم کے دشمن ترین قبیلہ کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جن کی سازش سے آخر امامت و ولایت کے وارث اور پیغمبر کے حقیقی جانشین و خلیفہ نے جام شہادت نوش کیا۔

اخبار و احادیث پر سنسر

دنیاوی حکومت کے حکمرانوں کی طرف سے اپنی حکومت کے استحکام اور اپنے مخالفوں کو دبانے کا ایک طریقہ سنسر شپ ہے۔ یعنی ایسی خبروں کے نشر ہونے سے روکنا جو ان کی حکومت کے خلاف جاتی ہوں اور ان خبروں کے نشر ہونے سے منع کرنا جو ان کے مخالف کے حق میں ہوں۔ البتہ ان کو منع کرنے کے لئے ہر ایک اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور کرتا ہے اور اس خبر کو روکنے کی اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی وجہ یا جواز ضرور پیش کرتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قائم ہونے والی حکومت نے بھی اس طریقہ پر عمل کرنا ضروری سمجھا جیسا کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

"علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"و قد کان عمر من وجلہ ان یخطی الصاحب علی رسول اللہ یامر ہم ان یقلوا الروایۃ عن بیہم فلئلا یتشاغل بالاحادیث عن حفظ القران"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 520

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

"یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں

غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں' تا کہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں"

چنانچہ جب قرظہ بن کعب عراق گئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں بھی عراق کے لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرنے سے منع فرمایا اور جب قرظہ بن کعب عراق پہنچے اور انہوں نے ان سے پیغمبر کی کوئی حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے آخری مطلب اصل الفاظ میں اس طرح ہے

"فلما قدم قرظته قالوا حدثنا فقال نهانا عمر"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 521

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

"یعنی جب قرظہ عراق پہنچے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم سے پیغمبر کی کوئی حدیث بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ عمر نے ہم کو منع کیا ہے"

قرظہ بن کعب کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے لگی لپٹی کہے بغیر واضح طور پر کہا کہ "عمر نے ہم کو منع کیا ہے" مگر علامہ ذہبی نے جس طرح سے بیان کیا اس میں بعد المشرقین' زمین آسمان کا فرق اور تضاد بیانی کی انتہاء ہے۔ یعنی شروع میں تو یہ کہا کہ "حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں" اس کے بعد کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ تا کہ پیغمبر کی طرف منسوب غلط حدیثیں نہ پھیل جائیں" مگر کہا یہ کہ "تا کہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کو یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں" اس آخری بات کا پہلی بات کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور ان دونوں باتوں میں کون سی مطابقت ہے۔

حدیث پیغمبر بیان کرنے والوں کو سزا

حضرت عمرؓ نہ صرف لوگوں کو حدیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے بلکہ جو

شخص پیغمبر کی حدیث لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا حضرت عمرؓ اس صحابی کو سزا بھی دیتے تھے چنانچہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

"ان عمر حبس ثلاثتہ ابن مسعود' و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثر تم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 521

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

"یعنی حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود' ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو قید کی سزا دی اور کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ سے بہت حدیثیں بیان کی ہیں"

مذکورہ اصحاب' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بزرگ اصحاب میں سے تھے ان حضرات کا جرم صرف یہ تھا کہ ان حضرات نے ان احادیث کو جنہیں انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خود اپنے کانوں سے سنا تھا لوگوں کے سامنے بیان کر دیا لیکن چونکہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی ممانعت کے باوجود بیان کیا تھا لہٰذا وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور انہیں قید کر دیا۔

اگر حضرت عمرؓ ان اصحاب پیغمبر کو اس بناء پر قید کرتے کہ انہوں نے پیغمبر پر جھوٹ بولا ہے تو اس صورت میں ان کا سزا دینا معقول ہوتا لیکن محض احادیث پیغمبر بیان کرنے پر قید کی سزا دینا انتہائی ظلم اور سنسر شپ کی بدترین مثال ہے۔

منع احادیث کا اثر لینے کی انتہاء

حضرت عمرؓ کے اس منع حدیث کا جس نے سب سے زیادہ اثر لیا وہ حضرت ابوبکرؓ تھے جسے علامہ ذہبی نے احتیاط کا نام دیا ہے جیسا کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

"علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے

کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکرؓ تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے بھی یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے "500" حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 523

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

علامہ ذہبی کے اس بیان سے جسے علامہ شبلی نے ان کی تذکرۃ الحفاظ سے اپنی کتاب الفاروق میں نقل کیا ہے دو باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے کل 500 حدیثیں نقل کی تھیں، دوسری یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے وہ تمام کی تمام احادیث آگ میں جلا دیں۔ یہ دونوں باتیں صرف مذکورہ حد تک تسلیم کی جا سکتی ہیں لیکن یہ بات کہ انہوں نے یہ کہا کہ "ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو" قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اس سے ایک تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان 500 احادیث میں سے ایک بھی حدیث خود پیغمبر سے سن کر نہیں لکھی تھی اور یہ بات قطعی طور پر غلط اور ناممکن ہے کہ انہوں نے پیغمبر سے ایک بھی حدیث نہ سنی ہو۔ دوسرے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ان اصحاب پیغمبر سے اپنے برسراقتدار آنے کے بعد بدگمان ہو گئے حالانکہ پہلے انہیں ثقہ سمجھ کر وہ احادیث نقل کی تھیں اور اب ان سے بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

تیسرے اس بات کو صرف ایک طرح سے حضرت ابوبکرؓ کی احتیاط تسلیم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ پیغمبر کے صحابی نہیں تھے اور انہیں کبھی بھی پیغمبر کی صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا تھا لہٰذا انہوں نے دوسرے صحابہ سے سن کر وہ 500 احادیث جمع کی تھیں اور بعد میں یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اصحاب پیغمبر جن سے انہوں نے وہ احادیث سنی تھیں ثقہ نہیں تھے انہیں جلا دیا"

لیکن ان کے صحابی ہونے سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا لہٰذا یہ بات بنائے

سے بنی نہیں ہے۔ یہ بات اس کے سوا نہیں ہے کہ یقینی طور پر حضرت ابوبکرؓ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی تھے اور انہوں نے وہ 500 احادیث خود اپنے کانوں سے پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک سے سن کر لکھی تھیں لیکن ان احادیث میں حضرت علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت و اطاعت کا حکم مذکور تھا لہٰذا وہ اب حضرت ابوبکرؓ کے خلاف پڑتی تھیں پس انہوں نے ان سب کو جلا دیا اور ان کے طرفداروں نے غلط طور پر اسے ان کی احتیاط کا نام دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی وجہ سے پیغمبر کی احادیث بیان کرنے سے منع کیا تھا ورنہ احکام اور فیصلوں کے لئے تو خود عمرؓ احادیث کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور جب کوئی قضیہ درپیش ہوتا تھا تو اصحاب سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے اس بارے میں پیغمبر سے کوئی حدیث سنی ہے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

> "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے تکبیر جنازہ، غسل، جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل میں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 513

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

اس بیان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ سنسر صرف ان احادیث کی تشہیر کو روکنے کے لئے تھا جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت کا بیان اور ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ احادیث جنہیں حضرت ابوبکر نے جلایا تھا وہ بھی وہی تھیں جن میں حضرت علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت کا بیان تھا اور ایسی ہی احادیث کے بیان کرنے پر حضرت عمرؓ صحابہ کو سزا دیتے تھے"

لیکن پھر بھی بہت سے اصحاب پیغمبر نے کوڑے کھانے' دروں کی مار سہنے اور قید و بند کی سختیاں جھیلنے کے باوجود پیغمبر کی فرمودہ ان احادیث میں سے اکثر کو بیان کر دیا جو حدیث و تاریخ کی ان ہی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں جو بنی امیہ کے دور میں لکھی گئیں اور یہ ایک خدائی معجزہ ہے۔

ملک گیری و کشور کشائی

اسلام نہ تو جبر کے ذریعہ دین کی تبلیغ کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کسی پر لشکر کشی کرنے' دوسروں کے علاقوں کو فتح کرنے اور ملک گیری اور کشور کشائی کی اجازت دیتا ہے۔ "**لا اکراہ فی الدین**" کے فرمان میں جبر سے دین کی تبلیغ کرنے سے روکا گیا ہے اور قرآن کریم میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں ملک گیری' کشور کشائی اور دوسروں کے علاقوں پر چڑھ دوڑنے کا حکم دیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ سالم قرآن میں کہیں بھی یہ حکم نہیں ہے کہ تم غیر ممالک پر چڑھائی کرو اور اپنی مملکت میں توسیع کرتے چلے جاؤ۔ جہاں تک پیغمبر اکرمؐ کی جنگوں کا تعلق ہے تو وہ بالاتفاق سب کی سب دفاعی جنگیں تھیں اور جنگ تبوک کے لئے روانگی کا سبب بھی یہ بنا تھا کہ بادشاہ روم کی طرف سے مملکت اسلامیہ کے خلاف چڑھائی کرنے کی خبریں ملی تھیں مگر جب پیغمبر اکرمؐ تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مملکت روم کی سرحدوں کے قریب پہنچے اور بادشاہ روم نے اس بات کا اظہار کیا کہ اس کا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو آپ وہیں سے واپس لوٹ آئے یہ لشکر کشی کے لئے پیغمبر اکرم کی سیرت کا ایک نمونہ ہے۔

پیغمبر اکرمؐ تبلیغ کے لئے سرایا بھیجا کرتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے انہیں کبھی لڑنے کا حکم نہیں دیا۔ علامہ شبلی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں طبری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

"قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حول مکتہ السرایا تدعوا الی اللہ عزوجل فلم یامر ھم بقتال" سیرۃ النبی جلد اول صفحہ اول ص 438

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجے دعوت اسلام کے لئے اور ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا"

اسی طرح 10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو جب 300 سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو آپؐ نے فرمایا:

"ناذا نزلت بسا حتهم فلا تقاتلهم حتى يقاتلونك"

مغازی ابن سعد ص 122

مطابق نقل البلاغ المبین ج 2 ط 2 ص 204

"یعنی جب تم ان کے ملک میں پہنچو تو تم ان سے جنگ نہ کرنا جب تک وہی تم پر حملہ آور نہ ہوں"

مگر دنیاوی حکومتوں کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کا دوسروں کے علاقوں پر چڑھ دوڑنا اور ملک گیری اور کشور کشائی میں مشغول رہنا بہترین مشغلہ ہے اور مورخین عالم کے نزدیک ان کی عظمت کا نشان سمجھا جاتا ہے چنانچہ جو ساری دنیا کو فتح کرنے کے لئے چل پڑے وہ سکندر اعظم کہلاتا ہے اور جو ہندوستان بھر کے راجوں اور مہاراجوں کو زیر کر کے سارے ہندوستان پر اپنی حکومت کا سکہ جما لیتا ہے اسے یہ مورخین " اکبر دی گریٹ " لکھتے ہیں۔

لیکن اسلام میں ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ کر کے ان کا ملک چھیننا جائز نہیں ہے اسلام نے یہ ہر قوم یا جماعت کا حق قرار دیا ہے کہ اگر وہ آپس میں زبان و طرز معاشرت اور تہذیب و تمدن کی یگانگت کی وجہ سے مل کر ایک جگہ یا ایک ملک میں رہنا چاہیں تو وہ رہ سکتے ہیں دوسری قوم کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی طاقت یا دولت کے زعم میں اپنے ہمسایہ پر حملہ کر کے اس کا ملک چھینے۔

یہ جوع الارضی اور توسیع سلطنت کی ہوس و خواہش ہی جبری و استبدادی

شہنشاہیت یعنی امپریلزم کہلاتی ہے اور یہی توسیع سلطنت کی خواہش دنیا میں عظیم جنگوں کا باعث بنی ہے اور یہی شیطانی خواہش ابتدائے عالم سے اب تک بنی نوع انسان کی دشمن بنی ہوئی ہے لہٰذا کسی کا توسیع مملکت کے لئے کمزور ہمسایہ قوموں پر حملہ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے اور اگر وہ کسی مذہب کے نام سے کیا جائے تو وہ اس مذہب کے لئے بدنما داغ ہے اور یہ کام قرآن کریم اور پیغمبر اکرمؐ کی سیرت مرضیہ کے سراسر خلاف ہے۔

لیکن پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت نے وہی کیا جو عام دنیاوی حکومتیں کرتیں آئی ہیں وہی توسیع سلطنت کی خواہش، وہی ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس، کمزور اقوام پر چڑھ دوڑنا اور فتوحات کے شوق میں کمزور اقوام کو اپنے زیر نگیں بناتے چلے جانا۔ لہٰذا دنیاوی حکمرانوں کی تاریخ لکھنے والے مورخین نے ان کے ان کارناموں کو فاتحین عالم کی اسی میزان پر تولا ہے۔

پیغمبر کے بعد دنیاوی حکمرانوں کا دوسرا سلسلہ

مذکورہ دنیاوی حکمرانوں میں سے دوسرا سلسلہ بنی امیہ کے حکمرانوں اور بادشاہوں کا ہے اگر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ یہ تحریک نہ چلاتے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور حکومت نہیں جانے دیں گے اور اس نعرہ اور تحریک کے ذریعہ بنی ہاشم یعنی خاندان نبوت سے اور حکومت الٰہیہ کے سربراہوں سے حکومت و اقتدار نہ نکالتے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانتے ہوئے حکومت الٰہیہ کے فرمانبردار و تابع دار اور اطاعت شعار رہتے تو بنی امیہ کے پاس حکومت و سلطنت کے پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ اس خط سے ثابت ہے جو معاویہ نے محمد بن ابی بکر کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ مورخ معروف "مسعودی" نے یہ دونوں خط اپنی کتاب "مروج الذہب" کے صفحہ نمبر 314 سے 316 تک نقل کئے ہیں ہم نمونہ کے طور پر اس میں سے محمد بن ابی بکر کے خط اور معاویہ کے جواب کا ایک ایک اقتباس ذیل میں نقل کرتے ہیں:

محمد بن ابی بکر نے علی کے فضائل بیان کرنے کے بعد معاویہ کی مذمت کرتے ہوئے لکھا کہ:

"لک الویل تعدل نفسک بعلی و ھو وارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ووصیہ و ابو ولدہ الخ"

"یعنی وائے ہو تجھ پر کہ تو علی کی برابری کرتا ہے حالانکہ علی وارث ووصی رسول ہیں اور علیؑ کی اولاد رسول خدا کی اولاد ہے"

محمد بن ابوبکرؓ کے اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علیؑ کو رسول کے وارث اور وصی کی حیثیت سے خلیفہ و جانشین پیغمبر ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے محمد بن ابی بکر کے خط کا معاویہ نے تفصیلی جواب دیا اور مذکورہ بات کا یہ جواب دیا کہ:

"فقد کنا و ابوک فینا نعرف فضل ابن ابی طالب و حقہ لازما لنا مبرورا" علینا فلما اختار اللہ لنبیہ علیہ الصلوۃ والسلام ماعندہ و اتمم لہ

ما وعدہ و اظہر دعوتہ فابلج حجتہ و قبضہ اللہ الیہ صلوات اللہ علیہ کان ابوک و فاروقہ اول من ابتزہ حقہ و خالفہ علی امرہ علی ذالک اتفقاو اتسقا"

"سن ! ہم سب جن میں تیرے باپ بھی شامل ہیں علی بن ابی طالب کی فضیلت اور ان کے حقوق کے اچھی طرح معترف تھے اور واقف تھے لیکن جب خدا نے اپنے رسول کو دین و حجت کے کامل اور آشکار ہو جانے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ اور ان کے فاروق ہی پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت میں علیؑ کے حق کی مخالفت کی۔"

اس کے بعد معاویہ کے خط کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے کہ:

"فان یک مانحن فیہ ثوابا فابوک استبد و نحن شرکاءہ و لولا ما فعل ابوک من قبل ما خالفنا ابن ابی طالب لسلمنا الیہ و لکنا اتینا اباک فعل ذالک بہ قبلنا فا خذنا بمثلہ فعب اباک بما بداء لک او دع ذالک و السلام علی من اناب"

"یعنی جس معاملہ کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے جبر سے اس کی ابتداء کی اور ہم سب اس کے اس فعل میں شریک تھے۔ اگر تیرا باپ ایسا برتاؤ نہ کرتا تو ہم سب بھی علیؑ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ ان کے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی ان کے فعل کی پیروی کی اب اگر تو عیب و الزام لگائے تو اپنے باپ کو عیب لگا یا اس خیال کو ترک کر دے اور سلام ہو اس پر جو حق کی طرف رجوع کرے"

محمد بن ابی بکر کے خط کے جواب میں معاویہ کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ حکومت الٰہیہ کے سربراہوں سے نہ صرف حکومت و اقتدار نکالنا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا کارنامہ تھا بلکہ بنی امیہ تک پہنچانا بھی انہیں کی حکمت عملی کا نتیجہ تھا لہٰذا بنی امیہ ان دونوں حضرات کے انتہائی طور پر شکر گزار اور ممنون احسان رہے اور

انہوں نے نہ صرف اپنے مذکورہ محسنوں کی مذکورہ پالیسی یعنی اقتصادی مار، قتل کا عملی اقدام اور سنسر شپ کو جاری رکھا بلکہ وہ بات جو حضرت عمرؓ نے اشاروں میں کہی تھی اسے انہوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا اور صاف طور سے حکم فرمایا کہ فضائل علیؑ کی احادیث بیان نہ کی جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ حکم جاری کیا کہ خلفائے ثلاثہ کے حق میں فضائل کی احادیث بیان کی جائیں۔

یہ ایسی بات تھی جو شام جیسے بے خبر بلکہ جاہل ملک میں ہی ممکن تھی حضرت عمرؓ مدینہ میں آنحضرتؐ کے زمانہ کے اس قدر نزدیک ایسا کام نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ان احادیث کا جواب جاری ہیں ان کے زمانہ میں کوئی وجود نہیں تھا اور اگر یہ احادیث جو اب جاری ہیں اس وقت موجود ہوتیں تو سقیفہ بنی ساعدہ میں اور شوریٰ کے موقع پر جہاں پر ان احادیث کو بیان کرنا انتہائی ضروری تھا ضرور بیان کی جاتیں ان دونوں موقعوں پر ان احادیث کا کوئی ذکر نہ ہونا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ اس وقت تک ان احادیث کا کوئی وجود نہیں تھا اور یہ اس وقت تک تیار نہیں ہوئیں تھیں البتہ حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث کے روکنے کا حکم جو پہلے اشاروں میں دیا جاتا تھا معاویہ کے دور میں کھلم کھلا دیا گیا چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں شیخ ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث سے اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"روی ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین المداینی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ نسختہ واحدہ الی عمالہ بعد عام الجماعتہ ان برئت الزمتہ ممن روی شیاء من فضل ابی تراب واھل بیتہ، فقامت الخطباء فی کل کورہ و علی کل منبر یلعنون علیا و یبرؤن منہ یقعون فیہ و فی اہل بیتہ"

شرح ابن ابی الحدید الجزء الثالث ص 15-16

مطابق نقل البلاغ المبین ج 2 طبع دوم ص 286

"یعنی ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین المدائنی نے اپنی کتاب

الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے عام الجماعت کے بعد (یعنی اپنی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی) اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ میں ہر اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل بیان کرے گا۔ لہٰذا ہر طبقہ اور ہر زمین میں ہر ممبر پر خطیب کھڑے ہو گئے جو حضرت علیؑ پر لعنت کرتے تھے اور ان سے بیزاری چاہتے تھے اور ان کی اور ان کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔"

اصحاب اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑنے کا حکم

حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل کی احادیث کو روکنے کے ساتھ ہی معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں احادیث گھڑ کے میرے سامنے پیش کی جائیں جیسا کہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ نے اپنے عمال کو یہ حکمنامہ جاری کیا۔

"فاذا جاء کم کتابی ھذا فادعوا الناس الی الروایۃ فی فضائل الصحابۃ و الخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا" یرویہ احد من المسلمین فی ابو تراب الا و اتونی بمنا قض لہ فی الصحابۃ متعلتہ فان ھذا احب الی واقر لعینی و ادحض بحجتہ ابی تراب و شیعتہ"

شرح ابن ابی الحدید الجزء الثالث ص 15 - 16
مطابق نقل البلاغ المبین ج 2 طبع دوم ص 288

"یعنی جس وقت تم کو میرا یہ خط ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو اور اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور اس کے مثل و نظیر دوسری حدیث صحابہؓ کے حق میں وضع کر کے اور گھڑ کر مجھے دو کیونکہ بہ تحقیق یہ امر مجھے بہت محبوب تر ہے اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا ہے اور ابوتراب اور ان کے

شیعوں کی دلیل کو بہت ہی توڑنے والا ہے"

معاویہ کے اس حکم کے بعد نہ صرف صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑی جانے لگیں بلکہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے لئے توہین آمیز و ہتک انگیز اور ان کی شان کے خلاف احادیث کے نام سے بہتان بھی تراشے جانے لگے تا کہ لوگوں کے سامنے حضرت علیؑ پر تبرا کرنے کی صورت میں وہ ان کو اس لائق سمجھیں۔ اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے اوپر بنی امیہ کے دور حکومت میں برسر ممبر تبرا ہوا کرتا تھا جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں طبری ج 4 ص 188 ابن الاثیر ج 3 ص 80 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں ممبر رسول پر عین روضہ رسولؐ کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے"

خلافت و ملوکیت ص 174

اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس طرح لکھا ہے:

"احادیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک ایشائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی جمعہ میں برسر ممبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا سینکڑوں' ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ کے فضائل میں بنوائیں"

سیرۃ النبی جلد اص 49 طبع کانپور

یہاں تک کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے بلکہ ہزاروں حدیثیں معاویہ کے

فضائل میں وضع کی گئیں چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> "ایک گروہ نے معاویہ کے لئے فضائل وضع کئے اور پھر اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے من گھڑت حدیثیں روایت کیں جو سب کی سب جھوٹی ہیں"

منہاج السنۃ امام ابن تیمیہ، جلد 2 ص 207

معاویہ کے حکم سے جتنی حدیثیں گھڑی گئیں ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ معاویہ تک جن کے وسیلہ سے حکومت پہنچی ان کے احسان کا بدلہ چکایا گیا دوسرے اصحاب کے لئے اس لئے حدیثیں گھڑی گئیں تاکہ جن اصحاب نے اس کے ساتھ ہو کر خلیفہ وقت کے ساتھ صفین کے مقام پر جنگیں لڑی تھیں ان کے خلاف لوگوں کو بولنے سے روکا جا سکے اور اپنی تعریف میں پروپیگنڈہ کرنا دنیاوی حکومتوں کی ضرورت ہے لہٰذا جب اس کے حکم سے خلفائے ثلاثہ اور دوسرے اصحاب کی شان میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثیں گھڑی جا رہی تھیں تو معاویہ کا حق بنتا تھا کہ اس کے لئے بھی فضیلت کی کچھ احادیث گھڑ کر بیان کر دی جائیں۔

ایک جدید مذہب کی تشکیل

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگر معاملہ دنیاوی حکومت تک ہی محدود رہتا تو یہ بات صرف دنیا کے حکمرانوں کی تاریخ کا ہی ایک حصہ رہتی لیکن بنی امیہ کے حکم سے احادیث گھڑنے والوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خودساختہ احادیث کے ذریعہ پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی اس جدید دنیاوی حکومت کے فرمانرواؤں کو مذہبی پیشواؤں کی صورت میں جلوہ گر کیا اور پیغمبر کے اصلی جانشین یعنی آئمہ طاہرین تو رہے ایک طرف انہوں نے ان دنیاوی حکمرانوں کو عقل و خرد میں

اسلام کی ہمدردی میں اور احکام شریعت کی تدوین و تیاری میں خود پیغمبر اکرمؐ سے بھی بڑھا دیا چنانچہ اذان کے بارے میں جو شریعت کا ایک اہم رکن ہے یہ کہا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے پیغمبر تو ناقوس بجوانا چاہتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کے ذریعہ بلانے کی رائے دی اور یہ بات مذہب اہل حکومت میں اتنی مشہورو معروف ہے کہ کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے بلکہ وہ اسے حضرت عمرؓ کی فضیلت اور شان بیان کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو: (الفاروق شبلی حصہ اول ص 82' دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء)

اور جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ بات گھڑی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے لیکن پیغمبر نے انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حالانکہ پیغمبر نے انہیں خدا کے حکم سے اور وحی الہی کی روشنی میں فدیہ لے کر چھوڑا تھا جبکہ قیدیوں کو قتل کرنا کسی بھی مہذب قوم میں جائز نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن خدا نے جب جنگ بدر میں لڑائی سے ہاتھ کھینچ کر اصحاب کی طرف سے کافروں کو اسیر بنانے میں لگ جانے کی مذمت کی اور یہ کہا کہ تم نے اچھی طرح سے کافروں کا خون بہانے سے ہاتھ کیوں کھینچا اور انہیں گرفتار کرنے میں کیوں مصروف ہو گئے اور اصحاب کے اس عمل پر انہیں دنیا کا طالب قرار دیا تو بنی امیہ کے حکم سے حدیث گھڑنے والوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس عتاب کا رخ پیغمبر کی طرف پھیر دیا اور حضرت عمرؓ کے قیدیوں کو قتل کر دینے کے مشورے کو درست قرار دیتے ہوئے پیغمبر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو غلط قرار دیا۔

ایسی ایسی اور بہت سی باتیں ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب "عظمت ناموس رسالت" میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ پیغمبر نے جو کچھ کیا تھا وہ بحیثیت نبی و رسول خدا کی وحی اور خدا کے واضح حکم کے مطابق کیا تھا اور حضرت عمرؓ کی رائے اور مشورے کو کسی بھی مہذب قوم کے نزدیک درست اور صحیح نہیں سمجھا جا سکتا اور پیغمبر کی شان کے خلاف آج جتنی باتیں مشہور ہیں وہ سب کی سب یا ان میں سے اکثر حضرت عمر کو مذہبی و الہامی شخصیت بنانے اور پیغمبر کو ان سے

کم تر دکھانے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔

حتیٰ کہ پیغمبر کے احکام تک کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ ایک انسان کی حیثیت سے تھے جو وقت کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کی مخالفت کی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے جو احکام دیئے وہ عقل کے مطابق تھے اور وقت کا ساتھ دے سکتے تھے حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمرؓ کی حکومت کے درمیان صرف دو سال کا فاصلہ ہے پیغمبر کے احکام تو نبی و رسول صاحب وحی اور معصوم عن الخطا ہونے کے باوجود دو سال سے زیادہ نہ چل سکے لیکن حضرت عمرؓ کے احکام ہمیشہ ہمیشہ چلنے کے قابل بن گئے یہ ایک طرح سے پیغمبر کی شریعت کو ختم کر کے حضرت عمرؓ کی خودساختہ شریعت کو لاگو کرنے کی تدبیر ہے۔

ہم اس مقام پر زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ثبوت کے لئے علامہ شبلی کی کتاب الفاروق کے درج ذیل عنوانات کا غیرجانبدارانہ مطالعہ ہی کافی ہے:

"نمبر1 - اذان کا طریقہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق قائم ہوا" (ص 82)

"نمبر2 - قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر کی رائے" (ص 87)

"نمبر3 - نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں" (ص 503)

"نمبر4 - حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا مصالح عقلی پر مبنی ہونا" (ص 504)

"نمبر5 - حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی" (ص 505)

"نمبر6 - فقہ کے تمام سلسلوں کا مرجع حضرت عمرؓ ہیں" (ص 526)

"نمبر7 - یہاں تک کہ علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں "حضرت عمرؓ کے مسائل فقہ کی تعداد" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے

مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے"۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"وہم چنیں مجتہدین و رئوس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند
"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 535
دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

اس کے بعد اصول فقہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے"

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہ" مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجتہ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

آنحضرتؐ سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے:

"ما اتکم الرسول فخذہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا"

"یعنی پیغمبر جو تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو"

دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ اس کے متعلق خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"انما انا بشرا" اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوہ بہ واذا امرتکم

بشی من رائی فانما انا بشر"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 535-536

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

"یعنی میں آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اس کو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں"

بنی امیہ کے حکم سے یہ وہ گھڑی ہوئی حدیث ہے جس کے ذریعہ پیغمبر کے احکام سے انحراف و اختلاف کا جواز پیدا کیا گیا ہے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر صورت میں نبی تھے اور رسول تھے اور خدا کے حکم سے ان کی اطاعت فرض اور واجب تھی اور ان کے ہر حکم کی اطاعت خدا کے حکم کے مطابق خدا ہی کی اطاعت تھی لہٰذا ان کی بشریت کی آڑ لے کر ان کے حکم سے انحراف و اختلاف کا کیا جواز ہے۔

اور اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی و رسول اور صاحب الہام و وحی ہونے کی حیثیت سے ان کے احکام سے انحراف و اختلاف کا جواز پیدا ہو سکتا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر تو بشر تھے لیکن حضرت عمرؓ بشر نہیں تھے اور اگر وہ بھی بشر تھے اور یقیناً بشر تھے اور حتماً" نبی یا رسول اور منصوص من اللہ معصوم عن الخطا نہیں تھے تو ان کے احکام قیامت تک فقہ و شریعت کا جزء بننے میں کیا حیثیت و مقام رکھتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ شبلی اپنی اس کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا ہے اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہیں کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 536

اس کے بعد علامہ شبلی اپنی اس کتاب میں حضرت عمرؓ کے ان بہت سے کاموں کا مثال کے طور پر ذکر کرنے کے بعد جن میں انہوں نے رسول اللہ کی صریحاً" مخالفت کی تھی اس طرح لکھتے ہیں:

"اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 538
دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

لیکن اس کے ساتھ ہی علامہ شبلی امام شافعی کی رائے اس طرح سے نقل کرتے ہیں:

"برخلاف اس کے امام شافعی کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج، تعین شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں"

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 538
دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

تعجب کی بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں صرف دو سال کا فاصلہ ہے یہ دو ہی سال میں زمانے اور حالات میں اتنا تغیر کیوں آگیا کہ حضرت عمرؓ کو پیغمبر کے ان احکام کو بدلنا پڑا لیکن دو ہی

سال بعد کے وہ احکام جو حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے وضع کئے تھے وہ فقہ حنفی کی جان بن کر قیامت تک کے لئے کیسے نافذ العمل ہونے کے قابل بن گئے جبکہ حضرت عمرؓ نہ نبی تھے' نہ رسول تھے نہ منصوص من اللہ تھے نہ معصوم عن الخطاء تھے اور ان کے بشر ہونے میں بھی کسی کو کوئی کلام نہیں ہے تو پیغمبر کے احکام بشر ہونے کی وجہ سے رد کرنے کے قابل کیوں ہوئے اور حضرت عمرؓ کے احکام بشر ہونے کے باوجود قیامت تک نافذ ہونے کے لئے حنفی فقہ کی جان کیسے بن گئے۔

یہ حضرت عمرؓ کو پیغمبر سے بڑھانے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کی خودساختہ جدید شریعت کو نافذ کرنے کا ایک حیلہ اور تدبیر ہے اور یہی بنی امیہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو ایک الہامی شخصیت بنا کر ایک مذہبی' پیشوا کی حیثیت سے منوا دیا اور پیغمبر کی شریعت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا ورنہ حضرت عمرؓ تو پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی ایک جدید دنیاوی حکومت کے بانی اور اپنے وقت کے حاکم و فرمانروا تھے اور اگر بنی امیہ اپنے زر خرید لوگوں کے ذریعہ احادیث گھڑوا گھڑوا کر ان کو ایک مذہبی پیشوا کے روپ میں جلوہ گر نہ کرتے تو وہ بھی صرف دوسرے دنیاوی حکمرانوں کی طرح سے تاریخ کا ایک حصہ ہوتے اور تمام مورخین دوسرے دنیاوی حکمرانوں کی طرح سے ان کے تاریخی کارناموں کو تاریخوں میں قلمبند کرتے۔

بنی امیہ کے دور میں حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کا قتل

صحیح بخاری میں ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبرا" شبرا" و ذراعا" بذراع حتی لو سلکوا حجر ضب لسلکتموہ قلنا یا رسول اللہ الیہود و النصاری قال فمن"

صحیح بخاری باب 350' حدیث 673

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنے سے پہلے

لوگوں کی (ایسی زبردست) پیروی کرو گے (حتیٰ کہ) ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز پر یعنی ذرا سا بھی فرق نہ ہو گا حتیٰ کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں آپ نے فرمایا پھر اور کون"

یہودیوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز کاموں کی تحقیق کرنا تو مشکل کام ہے لیکن ایک کام ایسا ہے جس میں وہ بہت بدنام ہوئے ہیں اور وہ حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں یعنی خدا کے فرستادہ رسولوں کا قتل ہے قرآن کریم میں سورۃ البقرۃ کی آیت 87 سے اور سورۃ آل عمران کی آیت 183 سے ثابت ہے کہ یہودیوں نے بہت سے رسولوں یعنی حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کو قتل کر دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"قل قد جاء کم رسل من قبلی بالبینت و بالذی قلتم فلم قتلتمو ھم ان کنتم صادقین"

آل عمران - 183

"یعنی اے رسول تم ان یہودیوں سے کہ دو کہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے اور جو کچھ تم کہتے ہو یہ بھی لائے تھے پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا تھا"

پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس طرح سے پوری ہوئی کہ جس طرح یہودیوں نے خدا کے مقرر کردہ حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کو قتل کیا تھا اسی طرح پیغمبر کے بعد دنیاوی حکومت کے ان مسلمان بادشاہوں اور فرمانرواؤں نے حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں یعنی آئمہ اطہار کو انتہائی ظلم و ستم کے ساتھ قتل کرایا کسی کو تلوار سے کسی کو نیزہ و شمشیر سے اور کسی کو زہر دغا سے۔

پس بنی امیہ کے دور میں حضرت علیؑ، معاویہ کی سازش سے مسجد کوفہ میں تلوار سے شہید کئے گئے اور امام حسنؑ کو بھی معاویہ ہی نے سازش کر کے زہر دغا سے شہید کرایا اور امام حسینؑ نے یزید کے حکم سے میدان کربلا میں اپنے 72 ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا امام زین العابدینؑ کو عبدالملک بن مروان نے زہر دلوایا اور

امام محمد باقرؑ کو ہشام بن عبدالملک کے اشارہ پر زہر سے مسموم کر کے شہید کیا گیا۔
بنی امیہ کے دور میں نہ صرف حکومت الٰہیہ کے فرمانرواؤں کو قتل کیا گیا بلکہ ان کے ماننے والوں اور ان کی اطاعت و پیروی کرنے والوں پر بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے چنانچہ مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں لکھتے ہیں کہ:

"عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کے زمانہ کی سب سے بڑی لعنت حجاج کی گورنری تھی۔ جسے بیس سال تک ظلم و ستم کی کھلی چھوٹ ملی رہی"

خلافت و ملوکیت ص 185

اس کے بعد عاصم ابن ابی النجود کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ: "اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں"

خلافت و ملوکیت ص 186

اس کے بعد مولانا مودودی "استیعاب ج 1 ص 35" وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اس کے زمانہ میں جو لوگ قید کی حالت میں کسی عدالتی فیصلہ کے بغیر قتل کئے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے جب وہ مرا ہے تو اس کے قید خانوں میں 80 ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے"

خلافت و ملوکیت ص 186

بحوالہ الاستیعاب و ابن الاثیر والبدایہ وابن خلدون

اور پھر مولانا مودودی، ابن الاثیر ج 4 ص 103 و البدایہ ج 9 ص 67 اور ابن خلدون ج 3 ص 58 کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اور یہ ظالم گورنر تھا جس کے حق میں عبدالملک نے اپنی اولاد کو مرتے وقت وصیت کی کہ "حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ کرتے رہنا کیونکہ وہی ہے جس نے ہمارے لئے سلطنت ہموار کی۔ دشمنوں کو مغلوب کیا اور ہمارے خلاف اٹھنے والوں کو دبا دیا"

خلافت و ملوکیت ص 184

یہ ہے دنیاوی حکمرانوں کے حکومت کرنے کا طریقہ:

پیغمبر کے بعد دنیاوی حکمرانوں کا تیسرا سلسلہ

حکومت الٰہیہ کے فرمانرواؤں میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور بنی امیہ کے آخری چار بادشاہوں، یعنی ہشام، ولید ثانی، ابراہیم اور مروان ثانی اور بنی عباس کے ابتدائی دو بادشاہوں یعنی سفاح اور منصور عباسی کے زمانے میں گزرا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بنی امیہ کی سلطنت روبزوال تھی اور بنی عباس کے اقتدار کا آغاز ہو رہا تھا بنی امیہ اپنی سلطنت کو بچانے اور بنی عباس اپنی سلطنت قائم کرنے اور اسے مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے لہٰذا حکومت الٰہیہ کے چھٹے فرمانروا یعنی امام جعفر صادقؑ کو کچھ آزادی اور سکھ کا سانس لینے کا موقع ملا پس آپ نے اپنے زمانہ امامت میں علوم دین علوم قرآن اور احادیث پیغمبر کی کثرت کے ساتھ نشرواشاعت کی، دور دراز سے لوگ علوم قرآن و حدیث، آئمہ اہل بیت کے در سے حاصل کرنے کے لئے جوق در جوق جمع ہو رہے تھے یہاں تک کہ "امام ابوحنیفہ" نے بھی آپ کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ علامہ شبلی اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادقؑ کے فیض صحبت سے بھی کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً" تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ، حضرت امام جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمعصر تھے اس لئے ان کی شاگری کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت صادقؑ سے کیا نسبت، حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے اور صاحب البیت ادری بما فیھا"

سیرۃ النعمان شبلی ص 38 - 39

بنی امیہ کا مکافات عمل اور سفاح کی سفاکیاں

مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں ابن الاثیر البدایہ اور ابن خلدون کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"بنی امیہ کے دارالسلطنت دمشق کو فتح کر کے عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا جس میں پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ 70 دن تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی۔ حضرت معاویہؓ سمیت تمام بنی امیہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش قبر میں صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا چند روز تک اسے منظر عام پر لٹکائے رکھا گیا اور پھر جلا کر اس کی راکھ اڑا دی گئی۔ بنی امیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ بصرے میں بنی امیہ کو قتل کر کے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا جہاں کتے انہیں بھنبھوڑتے رہے یہی کچھ مکہ اور مدینہ میں بھی ان کے ساتھ کیا گیا"

خلافت و ملوکیت ص 192

دنیاوی حکومتوں کا دستور نرالہ ہے یہاں استحکام حکومت کے لئے سب کچھ کرنا جائز ہے اور پھر مورخین ان ہی حکمرانوں کی مدح سرائی کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے نظر آتے ہیں۔

بنی عباس کے لئے دو راستے

چونکہ بنی عباس کا پہلا بادشاہ بنی عباس کی سلطنت قائم کرنے اور اس کے استحکام کے لئے مذکورہ سفاکیوں میں مصروف رہا اس لئے اسے حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں یعنی آئمہ اطہار کی طرف رخ کرنے یا توجہ دینے کے لئے فرصت ہی نہ ملی

لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس عرصہ میں نشر علوم دین میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور آپ کے شاگرد' آپ کے ماننے والے اور آپ کی اطاعت و پیروی کرنے والے ممالک اسلامیہ میں کثرت سے پھیل گئے لیکن سفاح عباسی کے بعد جب منصور عباسی بادشاہ بنا تو اس نے اس بات کو اپنی سلطنت کے لئے خطرہ سمجھا کیونکہ اب امام کے ماننے والے ارباح مکاسب میں سے خمس نکال کر بھجواتے تھے۔ ہدایا اور تحائف بھیجتے تھے اور ان کی تعداد اب کافی ہو چکی تھی لہذا پیغمبر کے بعد دنیاوی حکومت کے فرمانرواؤں نے خمس بند کر کے جو اقتصادی مار دی تھی وہ اب نہیں چل سکتی تھی۔ بنی امیہ کے دور میں اصحاب ثلاثہ اور دیگر اصحاب کے لئے جو حدیثیں گھڑی جاسکتی تھیں وہ گھڑی جاچکی تھیں اور حضرت علیؑ اور آئمہ اہل بیت کی شان کے خلاف حدیثیں گھڑنے یا لعن و تبرا کرنے اور گالیاں دینے کا دور گزر چکا تھا لہذا بنی عباس کے لئے صرف دو ہی راستے رہ گئے تھے۔

نمبر 1- آئمہ اطہار کے مقابلہ میں دوسرے امام کھڑے کرنا اور لوگوں کو ان کی طرف دعوت دینا۔

نمبر 2 - آئمہ اطہار کو قید و بند میں رکھنا اور لوگوں کو ان کی طرف جانے سے روکنا اور بلاخر انہیں زہر کے ذریعہ شہید کرا دینا۔ اور ان دونوں کی تفصیل اس طرح ہے:

نمبر 1- آئمہ اطہار کے مقابلہ میں دوسرے امام کھڑے کرنا

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں طبری ج 6 ص 238 اور البدایہ و النہایہ ج 1 ص 97 کے حوالے سے امام ابوحنیفہ کے معاش کا ذکر اور کاروبار تجارت میں ان کے تجربے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مالی و تجارتی معاملات کے متعلق اس وسیع تجربے نے ان کے اندر قانون کے بہت سے شعبوں میں وہ بصیرت پیدا کر دی جو صرف علمی حیثیت سے

قانون جاننے والوں کو نصیب ہوتی فقہ اسلامی کی تدوین میں اس تجربے نے ان کو بڑی مدد دی اس کے علاوہ دنیوی معاملات میں ان کی فراست و مہارت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب 145ھ (762ء) میں المنصور نے بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا تو ابوحنیفہ ہی کو اس کی نگرانی پر مقرر کیا اور چار سال تک وہ اس کام کے نگران اعلیٰ رہے"

خلافت و ملوکیت ص 227

بحوالہ طبری و البدیہ و النہایہ

طبری اور البدیہ و النہایہ کی اس عبارت سے جسے ہم نے مولانا مودودی کی خلافت و ملوکیت سے نقل کیا ہے صاف ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ عباسی بادشاہ المنصور دوانقی کے دربار سے وابستہ تھے۔

امام ابو حنیفہ کے ذریعہ امام جعفر صادق کو خجل کرنے کی کوشش

آغا سلطان مرزا پنی کتاب "نور المشرقین" میں "جامع مسانید ابی حنیفہ" سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جامع ابی حنیفہ تالیف ابو الموید محمد بن محمود خوارزمی میں مندرجہ ذیل روایت پائی جاتی ہے جو حسن بن زیاد سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ:

"میں نے ابو حنیفہ سے سنا جب ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ افقہ تم نے کس کو پایا انہوں نے جواب دیا کہ امام جعفر ابن محمد الباقر کو' اور پھر یہ قصہ بیان کیا کہ جب امام جعفر بطلب منصور کوفہ میں تشریف لائے تو حیرہ میں مقام فرمایا۔ منصور نے مجھ سے کہا کہ اے ابوحنیفہ دیکھتے ہو تم یہ لوگ کس طرح اس شخص پر مفتون ہیں تم چند مشکل اور دقیق مسائل تیار کرو تا کہ دربار میں تم ان کو خجل کر سکو' میں نے مختلف مسائل تیار کئے منصور کا آدمی جب مجھے بلانے آیا تو میں دربار میں گیا' وہاں امام جعفرؑ منصور کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر میرے اوپر رعب چھا

گیا۔ ایسا رعب کبھی منصور کا بھی مجھ پر غالب نہ ہوا تھا منصور نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور امام سے کہا یہ ابو حنیفہ ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں جانتا ہوں پھر مجھ سے کہا کہ اے ابو حنیفہ جعفر سے سوال کرو، میں ایک ایک مسئلہ پوچھتا تھا اور وہ جناب ہر ایک کا جواب دیتے تھے کہ اس میں یہ قول تمہارا ہے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ہم یہ کہتے ہیں یہاں تک کہ کل چالیس مسئلوں کے جوابات ارشاد فرمائے"

نقل از کتاب نور المشرقین ص 578

بحوالہ جامع مسانید ابی حنیفہ تالیف

ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی

امام ابو حنیفہ اپنے اس بیان میں تسلیم کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ دنیا میں سب سے زیادہ افقہ تھے۔ امام ابو حنیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ منصور نے انہیں بھرے دربار میں امام جعفر صادقؑ کو خجل کرنے کے لئے مامور کیا تھا اور منصور امام جعفر صادق علیہ السلام کو امام ابوحنیفہ کے ذریعہ اس لئے خجل کرنا چاہتا تھا تاکہ بھرے دربار میں امام ابوحنیفہؒ کی برتری ظاہر کرے اور لوگوں کو امام ابو حنیفہؒ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے میں آسانی ہو۔ اور امام ابوحنیفہ کو وہ امام جعفر صادقؑ کے مقابلہ میں اس لئے لا رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ امام جعفر صادقؑ کے گرویدہ ہیں جو ان کے اس قول سے ثابت ہے جسے امام ابوحنیفہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"منصور نے مجھ سے کہا کہ اے ابوحنیفہ دیکھتے ہو تم، یہ لوگ کس طرح اس شخص پر مفتون ہیں"

یعنی منصور عباسی لوگوں کے امام جعفر صادق پر مفتون ہونے کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا اور یہ امام ابوحنیفہؒ وہ ہیں کہ جن کے بارے میں شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ:

"لو لا السنتان لهلک النعمان"

یعنی اگر دو سال میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں نہ

گزارے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا:

اور یہ امام ابو حنیفہ وہی ہیں جن کے بارے میں مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں یہ لکھا ہے کہ:

"امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت صادق سے کیا نسبت حدیث فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں اور گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے"

سیرۃ النعمان شبلی ص 39

قدرت کا انتظام بھی عجیب ہے کہ گو حکومت الہیہ کے فرمانروا یعنی آئمہ اہل بیت جتنے بھی گزرے ہیں وہ سب کے سب ہی صادق یعنی سچے تھے لیکن چونکہ پہلی حکومتوں نے ان کے مقابلہ میں کوئی امام کھڑے نہیں کئے تھے لہٰذا اس کی کوئی ضرورت نہ پڑی مگر چونکہ بنی عباس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنے خود ساختہ امام کھڑے کر دیئے تھے لہٰذا قدرت نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام کے ساتھ لفظ "صادق" کو آپ کے نام کا جزء بنا کر شہرت دوام بخش دی اور یہ بات قدرت کا ایک معجزہ اور لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کی شہادت

منصور امام جعفر صادقؑ کی مقبولیت اور لوگوں کے ان کی طرف گرویدہ اور مفتون ہونے کو تو نہ روک سکا لیکن آخر اس نے بھی وہی حربہ استعمال کیا جو آج تک کی دنیاوی حکومتیں حکومت الہیہ کے سربراہوں پر استعمال کرتی آئی ہیں یعنی منصور نے 148ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ امام ابو حنیفہ اس کے دربار سے وابستہ تھے اور 145ھ سے لے کر 149ھ تک بغداد کی تعمیر کے نگران اعلیٰ کے طور پر کام کر رہے تھے جیسا کہ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ 227 پر طبری اور البدایہ والنہایہ کے حوالے سے نقل کیا ہے"

فقہ حنفی کو ملک کا قانون بنا دیا گیا

اگرچہ امام ابوحنیفہؒ 149ء تک منصور عباسی کی طرف سے بغداد کی تعمیر کے نگران اعلیٰ کے طور پر کام کر رہے تھے اور 150ھ میں انہوں نے وفات پائی اور وہ امام جعفر صادقؑ کا شاگرد ہونے کے باوجود اور تمام دنیا میں انہیں افقہ جاننے کے باوجود منصور کے حکم پر امام جعفر صادق علیہ السلام کو تجّل کرنے تک کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے لہٰذا دربار خلافت سے ان کی وابستگی اور حکومت وقت کے ساتھ ان کا تعاون اظہر من الشمس ہے اور کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہے

لیکن مولانا مودودیؒ ایک دور کی کوڑی لائے ہیں اور انہوں نے ابوحنیفہ کے ایک شاگرد کے حکومت کی طرف سے منصب قضا قبول نہ کرنے کو ان کے مدرسہ فکر اور سیاسی مسلک سے اختلاف پر محمول کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد ان کے نامور شاگرد زفر ابن الھذیل (158ھ 775ء) کو جب منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا اور جان بچانے کے لئے روپوش ہو گئے۔ دوسری طرف المنصور سے لے کر ہارون الرشید کے ابتدائی دور تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس مدرسۂ فکر کے اثر کی مزاحمت کی جائے اور اس بناء پر منصور اور اس کے جانشین یہ کوشش کرتے رہے کہ ملک کے نظام قانون کا جو خلا ایک مدون قانون مانگ رہا ہے اسے کسی دوسری تدوین سے بھرا جائے اس غرض کے لئے المنصور اور المھدی نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں امام مالک کو سامنے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے (174 ھ 791ء) میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب "المئوطا" کو ملک کا قانون بنایا جائے لیکن آخر کار اس مدرسہ فکر سے ایک ایسی طاقتور شخصیت اٹھی جس نے اپنی علمی قابلیت اور اپنے زبردست اثرورسوخ سے سلطنت عباسیہ کے قانونی انتشار کو ختم کیا حنفی فقہ کو ملک کا قانون بنایا اور سلطنت کو ایک آئین پر قائم کر دیا یہ شخصیت امام

ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف کی تھی"

خلافت و ملوکیت ص 279 - 280

مولانا مودودی کے اس بیان سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ بنی عباس کو امام ابو حنیفہؒ کے مدرسہ فکر یا سیاسی مسلک سے کوئی اختلاف نہیں تھا ورنہ وہ ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف کا تیار کردہ قانون اور آئین قبول نہ کرتے اور فقہ حنفی کو ملک کا قانون نہ بناتے۔ رہا ابو حنیفہؒ کے شاگرد زفر بن الھذیل کا معاملہ تو ان کے منصب قضا کو قبول نہ کرنے کی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے۔

بہرحال امام ابو حنیفہ ہوں یا امام مالکؒ یا امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد امام یوسفؒ، ان کو امام بنانے والے اور آئمہ اطہار کے مقابلہ میں ان کو امام بنا کر کھڑا کرنے والے بنی عباسؓ تھے تاکہ لوگ آئمہ اطہار کی طرف رجوع نہ کریں اور حکومت کے مقرر کردہ مذکورہ آئمہ فقہ کی پیروی کریں۔

نمبر2- بنی عباسؓ کے دور میں آئمہ اطہار کا قتل

بنی امیہ نے اپنے زمانہ میں پانچ آئمہ اہل بیت یعنی حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کو شہید کرایا تھا۔ لیکن بنی عباسؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں جہاں دوسرے امام کھڑے کئے وہاں چھ آئمہ اہل بیت کو زہر دغا سے شہید بھی کرایا ان میں سے:

امام جعفر صادق علیہ السلام کو منصور نے زہر دغا سے شہید کیا۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون نے زہر دغا سے شہید کیا۔
امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے زہر دغا سے شہید کیا۔
امام محمد تقی علیہ السلام کو معتصم نے زہر دغا سے شہید کیا۔
امام علی نقی علیہ السلام کو معتز نے زہر دغا سے شہید کیا۔
امام حسن عسکری علیہ السلام کو معتمد نے زہر دغا سے شہید کیا۔

لیکن امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معتمد عباسی آخری امام حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوا تو حکمت خداوندی کا یہ تقاضا ہوا کہ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قائم آل محمد حضرت امام زمانہ امام مھدی ہادی آخر الزمانؑ کو زندہ و سلامت رکھے اور انہیں لوگوں کی نظروں سے اوجھل کردے۔ یہی بارہویں امام آج حکومت الہیہ کے سربراہ اور فرمانروا ہیں آپ نے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے اور غیبت کبریٰ اختیار کرنے سے پہلے اپنے نائب مقرر کردیئے تھے اور ایک فرمان کے ذریعہ اپنے احکام کی تعمیل کا طریقہ بتا دیا تھا اور آج دنیا میں حکومت الہیہ کی اطاعت اور پیروی کے خواہش مند امام زمانہؑ کے اس فرمان کے مطابق ہی حکومت الہیہ کی اطاعت و پیروی کرسکتے ہیں اور ہم نے اس کو اپنی کتاب "شیوہ حکومت اسلامی" میں وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

دور جدید کی دنیاوی حکومتیں

آدم علیہ السلام کرہ ارض پر حکومت الہیہ کے سب سے پہلے فرمانروا تھے لیکن ابلیس نے خدا کے حکم کے باوجود برملا طور پر آدمؑ کی اطاعت سے انکار کردیا اور نہ صرف خود انکار کیا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا کہ:

"لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا""

بنی اسرائیل - 67

"یعنی میں اس کی ذریت میں سے قدر قلیل کے سوا باقی تمام کو لگام دے لوں گا بالفاظ دیگر انہیں بھی حکومت الہیہ کے فرمانرواؤں کی اطاعت نہیں کرنے دوں گا"

ابلیس نے اولاد آدمؑ کو یہ لگام کیسے دی، خداوند تعالیٰ نے حکایتاً خود اسی کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے کہ اس نے کہاکہ:

"لازینن لھم فی الارض ولاغوینھم اجمعین' الا عبادک منھم المخلصین" الحجر - 40

"میں ضرور ضرور دنیا کو ان کی نظروں میں آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سوائے تیرے مخلص بندوں کے سب کو ہی گمراہ کر کے رکھ دوں گا"

چنانچہ روئے زمین پر سب سے پہلا انسان جس کی نظروں میں ابلیس نے دنیا کو آراستہ کر کے دکھایا وہ آدم علیہ السلام کا بڑا بیٹا قابیل تھا جس کے دل میں ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور اقتدار کی ہوس میں اس نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو' جسے آدم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنا وصی بنایا تھا قتل کر دیا۔ اور پھر برتری جوئی اور ہوس اقتدار نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں فساد و خونریزی اور قتل و غارتگری کی بنیاد ڈال دی۔

آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء تک حکومت الہیہ کے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار فرمانروا آئے مگر اولاد آدمؑ کی اکثریت ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب سے سرکش ہی رہی۔ یہاں تک کہ آدم کی اولاد کے ہاتھوں ہوس اقتدار میں ہزاروں انبیاء قتل کر دیئے گئے۔ اور یہی حادثہ پیغمبر کے بعد آئمہ طاہرین کے ساتھ پیش آیا اور نہ صرف ان کو شہید کیا گیا بلکہ جو بھی زور و زبردستی سے جبرو استبداد سے اور قہرو غلبہ کے ذریعہ برسراقتدار آیا اس نے ہر اس شخص کو جسے اس نے اپنی حکومت اور اقتدار کے مخالف سمجھا اس کا بھی اور اس کے طرفداروں کا بھی خوب اچھی طرح سے قلع قمع کیا۔

اس طرح آدم کی اولاد میں سے روئے زمین پر جہاں بھی جسے بھی جتنی بھی طاقت و قوت حاصل ہوئی وہ اپنے مخالفوں کو کچل کر اسی طرح سے حکومت کرتا رہا۔

اسلام سے پہلے یہ حکومت کرنے والے رئیس و سردار یا بادشاہ کہلاتے تھے لیکن مسلمان بادشاہ بادشاہت کے تمام آثار رکھنے کے باوجود اور اپنے اقتدار کے لئے سب کچھ کرنے کے باوجود خود کو خلیفہ کہلاتے رہے اور تمام مسلمان علماء و مفکرین و دانشور انہیں خلیفہ ہی کہتے رہے۔

یہ سلسلہ 1924 تک چلا لیکن اس زمانے تک یورپین اقوام اور مغربی استعمار نے تمام مسلمان ملکوں پر قبضہ کر لیا اور خلافت عثمانیہ ترکیہ سمٹ کر ترکی کی حدود کے اندر محدود ہو گئی یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹ کر

خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

جب مغربی استعمار اور یورپین اقوام کو آپس کی جنگ و جدال کے باعث تمام ایشیائی ممالک اور مسلمان ملکوں سے دست بردار ہونا پڑا تو وہ اپنے زیر حکومت استبدادی سلطنت کے حصہ بخرے کر کے اور چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بنا کر ان میں اپنے دست آموز اور کٹھ پتلی افراد کو مسلط کر گئے اور اس طرح مسلمان بالواسطہ طریقہ سے یورپین اقوام اور مغربی استعمار کے غلام بن گئے جن کے اوپر ظاہر میں تو مسلمان بادشاہ حکمران تھے یا مسلمان صدر حکمران تھے یا شیخ و امیر و سلطان حکمران تھے لیکن حقیقت میں مسلمان دوہری غلامی میں چلے گئے اور جہاں جمہوریت ہے وہاں اس سے بھی برا حال ہے۔

جیسا کہ ہندوستان میں پندرہ کروڑ کے تریب مسلمان آباد ہیں یعنی مشرق وسطیٰ کے تمام عرب ممالک کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ، لیکن وہ ہندو اکثریت کے جبرو استبداد اور قہرو غلبہ کا شکار ہیں اور جمہوریت میں اکثریت اقلیت پر ظلم ڈھاتی ہے غرض آدمؑ کی اولاد ہوس اقتدار میں اسی طرح فساد و خونریزی اور قتل و غارت گری میں مصروف ہے اور یہ حکومت الہیہ سے اعراض کا نتیجہ ہے کہ کرہ ارض فساد و خونریزی اور قتل و غارت گری کا میدان بنی ہوئی ہے۔

آج کے دور میں جمہوریت کو بہترین طرز حکومت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ اسی پرانے جبرو استبداد اور قہرو غلبہ کی ایک نئی صورت ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو جمہوریت کی اس خرابی کا احساس ہی پاکستان کے قیام کا موجب بنا تھا

تمت بالخیر

شجرہ نسب مؤلف

حضرت ہاشم
↓
حضرت عبدالمطلب

حضرت عبداللہ ↓ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ↓ حضرت فاطمہ زہرا

حضرت ابوطالب ↓ حضرت علی علیہ السلام

حضرت امام حسینؑ ← حضرت زین العابدینؑ ← حضرت زید شہید

سید عیسیٰ ← سید محمد ← سید علی ← سید حسین ← سید علی

سید عمر ← سید زید ثانی ← سید علی ← سید حسن

سید زید ثالث ← سید یحییٰ ← سید حسین ← سید داؤد

سید ابوالفتح ← سید ابوالفضائل ← سید ابوالفرح واسطی

سید ابوالحسن ← سید علاول ← سید محمد ← سید حسن فخرالدین

سید تاج الدین ← سید حسین ← سید علی ← سید ہادی

سید جعفر ← سید محمود فاتح تستہ ضلع مظفر نگر ← سید جمعیت علیخان

نواب سید کرم اللہ خان ← نواب سید شجاعت علیخان ← نواب سید عظمت اللہ خان

سید عزت اللہ خان مورث تستہ ↓ سید عتیق اللہ خان

سید فتح محمد مورث تیوڑہ ↓ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو

سید روشن علی ← سید عطا حسین ← سید مدد حسین ← سید فدا حسین

کاتب شجرہ ہذا ۹ اپریل ۱۹۱۳ء ← سید محمد رضا ساکن تستہ

شجرہ نسب مؤلف

آمدہ از صفحہ سابقہ: سید محمود فاتح تسہ ضلع مظفر نگر ← سید جمعیت علیخان

نواب سید کرم اللہ خان ← نواب سید شجاعت علیخان ← نواب سید عظمت اللہ خان

سید عزت اللہ خان مورث تسہ سابقہ صفحہ پر ایک شاخ درج ہے — سید فتح محمد مورث تیوڑہ

سید محمد

سید مبارک علی

سید پرورش علی — سید حسین بخش

سید فتح حسین متھرا آئے — سید حیدر حسین

دختر

سید حسین علی ساکن متھرا — سید مہدی حسن برست آئے

سید محمود حسن ساکن برست

سید مبارک حسین — مولوی ڈاکٹر سید محمد حسین زیدی برستی — سید محمد تقی

سید قمر عباس — سید مختار حسین — سید نیاز حسین محمود — سید حیدر مہدی — سید انتظار مہدی

عمران — محمد باقر — سید محمد مہدی سول جج — سید منتظر مہدی — سید رضا مہدی

محمد تقی — حیدر عباس — اختر عباس — قلب عباس — علی عباس

سید بہادر علی — سید گوہر علی — سید بہادر علی

مولوی سید خورشید حسین — سید تجمل حسین

سید مہر شاہ — سید ظفر عباس — سید محمد علی — مختار حسین — ناصر عباس — غلام مرتضی

باقر علی — جعفر علی — امجد علی — نصرت علی — کاظم علی — شاہد علی — محمد علی — عدنان حیدر

افتخار حسین — آفتاب حسین — سید محمد — سید احمد — مصطفی حسین — مرتضی حسین

ذوالفقار حسین — قیوم حیدر — مختار حسین — مظہر حسین — ریاض حسن — نذر عباس

کرار حیدر — نثار حیدر — صفدر — امیر حیدر — شفیق حیدر — خورشید — سعید — حمید — رشید — مرتضی، ارشاد، افضل، امجد

مئولف کی تالیفات ایک نظر میں

نمبر1-	ایک پر اسرار جاسوسی کردار	مطبوعہ
نمبر2-	ترجمہ تنبیہہ الانام	مطبوعہ
نمبر3-	نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ	مطبوعہ
نمبر4-	شیخیت کیا ہے؟	مطبوعہ
نمبر5-	حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں	کتاب ہذا
نمبر6-	شیوہ حکومت اسلامی	غیر مطبوعہ
نمبر7	عظمت ناموس رسالت	غیر مطبوعہ
نمبر8-	عظمت ناموس صحابہ	غیر مطبوعہ
نمبر9	العقائد الحقیہ	غیر مطبوعہ
نمبر10	خلافت قرآن کی نظر میں	غیر مطبوعہ

ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ